فروری 2017ء

ربیع الثانی/جمادی الاوّل 1438ھ

اللہ
رسول
محمد

ماہنامہ المرشد

انسان اس کی وہ واحد مخلوق ہے جسے اس
نے اپنی معرفت، اپنی پہچان، اپنی ذات
سے آشنائی کی استعداد دی ہے۔
(بیان، صفحہ نمبر ۹)

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

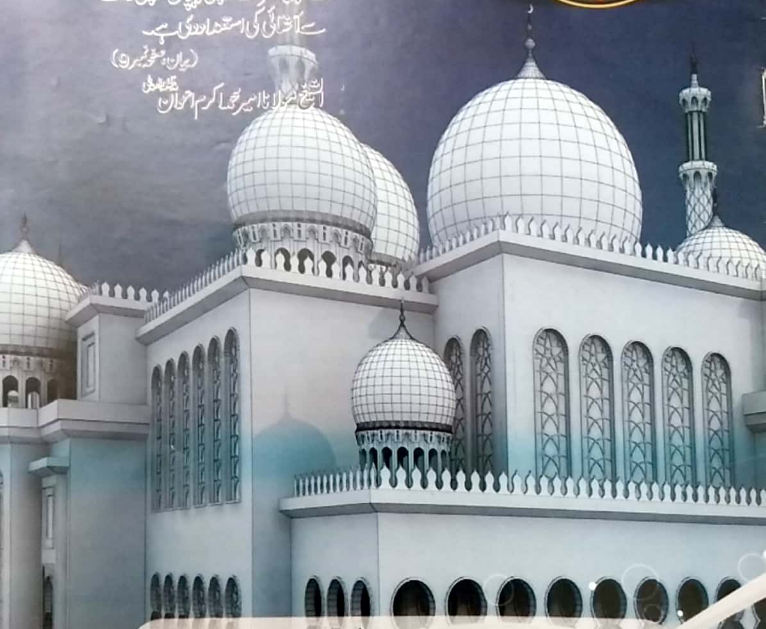

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ لِکُلِّ شَیْءٍ صَقَالَۃٌ وَصَقَالَۃُ الْقُلُوْبِ ذِکْرُ اللّٰہِ وَمَا مِنْ شَیْءٍ اَنْجٰی مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ مِنْ ذِکْرِ اللّٰہِ قَالُوْا وَلَا الْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ قَالَ وَلَا یَضْرِبَ بِسَیْفِہٖ حَتّٰی یَنْقَطِعَ۔ (رواہ البیہقی، فی شعب الایمان، حدیث:522، ج:1، ص:396)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ہر چیز کی صفائی اور جلا کے لئے تدبیر اور ذریعہ ہے اور دلوں کی صفائی اور جلا اللہ کے ذکر سے ہوتی ہے۔ ذکر الٰہی سے بڑھ کر اللہ کے عذاب سے نجات دلانے والی کوئی چیز نہیں۔

تصوف

تصوف

تصوف دل کو غیر اللہ کی محبت سے پاک کرنے کے مجاہدے کا نام ہے۔ دل وہ نازک ترین آئینہ ہے جس پر نور ایمان کی کرنیں پڑتی ہیں اور اُسے اتنا شفاف کر دیتی ہیں کہ اس پر تجلیاتِ باری منعکس ہوجاتی ہیں۔ اگر انسان اس آئینہ کی جلا کا اہتمام نہ کرے تو مسلسل غفلت کا شکار ہو کر یہ سیاہ ہوجاتا ہے اور تجلیاتِ باری کے قابل نہیں رہتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صدق الصادقین نے اس کا علاج بھی تجویز فرما دیا کہ ذکر اللہ ہی صقالۃ القلوب ہے۔ دلوں کے زنگ اور سیاہی مٹانے کی دوا ہے۔ ذکر اللہ کی دولت بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبتِ بابرکت میں ایک نگاہ میں تقسیم ہوئی اور بلا تکلف نصیب ہوئی۔ ہر اُس خوش بخت ایمان لانے والے کو نصیب ہوئی جو نگاہِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زد میں آیا اور اُسے صحابیت رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ ترین رتبے پہ فائز کیا۔ اُن صحابہ رضی اللہ عنہم کے قلوب کا تزکیہ تو ایک نگاہ کر گئی اور اس کا حاصل تھا کہ اُن کے وجود کا ہر ذرّہ ذکر اللہ میں مشغول ہوگیا۔ ذکر اللہ کے انوارات ہی دلوں کی پالش ہیں اور چونکہ پھل میں ہی بیج ہوتا ہے اسی لیے اہل اللہ نے طالبینِ حق کے قلوب میں ذکر اللہ کا بیج بو کر اس کا پھل یعنی تزکیے کی نعمت سے اُن کے کردار کو خالص اور کھرا کیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی متبعین ہر دور میں رہے ہیں اور رہیں گے۔ ان میں ایسے باسعادت سینے بھی ہوں گے جن کے قلوب برکات وانوارات سے لبریز ہی نہیں بلکہ اُن کی تقسیم کے لیے مختص کیے جائیں گے۔ اِن مکرّم ہستیوں کو مشائخ کہا جاتا ہے۔ کسی کامل شیخ کی صحبت میں اپنے دل کو اللہ کے ذکر سے روشن کرنے کا نام تصوف ہے۔ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبول کرنا اسلام ہے لیکن انہی تعلیمات کو دل میں بسا کر پورے خلوص سے ایک ایک حکم بجالانے کے لیے جان لڑا دینا، تصوف ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ماہنامہ
المرشد
PS/CPL#15

فروری 2017ء ربیع الثانی / جمادی الاول 1438ھ

جلد نمبر 38 شمارہ نمبر 06

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

فہرست

اسرار التنزیل سے اقتباس	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	3
اداریہ	صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان	4
طریقۂ ذکر		5
کلام شیخ	سیماب اویسی	6
اقوال شیخ	انتخاب	7
انسانی فیصلے کی اہمیت	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	8
مسائل السلوک	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	15
اکرم التفاسیر، سورۃ الصّٰفّٰت 22 تا 74	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	20
سوال و جواب	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	32
سورۃ العنکبوت آیات 9 تا 13	الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی	42
ایمان اور اعمال صالح کا انجام	ام فاران، راولپنڈی	45
مسائی جمیلہ	الاخوات، لاہور	48
Translated Speech	Ameer Muhammad Akram Awan MZA	54
Tassawuf	Maulana Allah Yar Khan(RAU)	57

مدیر: محمد اجمل

نائب مدیر: محمد ادریس خان

معاون مدیرہ: آصفہ اکرم

سرکولیشن منیجر: محمد اسلم شاہد

انچارج ترسیل و حسابات: چوہدری محمد اسلم

قیمت فی شمارہ: 40 روپے

بدل اشتراک

پاکستان 450 روپے سالانہ، 235 روپے ششماہی

بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس لاہور 042-36309053 ناشر: عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن ورابطہ آفس: ماہنامہ المرشد، 17 اویسیہ سوسائٹی روڈ ٹاؤن شپ، لاہور
Ph: 042-35180381
Mob:0303-4409395
Email:monthlyalmurshed@gmail.com

ختم خریداری کی اطلاع

یہاں اس دائرے میں اگر کراس X کا نشان ہے تو اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔

مرکزی دفتر: دار العرفان ڈاکخانہ نور پور ضلع چکوال۔ ویب سائٹ سلسلہ عالیہ www.oursheikh.org
Ph:0543-562200, Fax:0543-562198 Email:darulirfan@gmail.com

"قرآن حکیم کو اس نیت سے پڑھو کہ میرا پروردگار مجھ سے باتیں کر رہا ہے۔"

اچھوتے انداز اور منفرد طرزِ تحریر کی حامل
تفسیر قرآن حکیم اسرار التنزیل سے اقتباس

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ۔۔۔ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ (سورۃ البقرہ:87)

حقیقت یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی، ایک لائحہ عمل، پُوری زندگی کا پروگرام اور ایسا جو دُنیا و آخرت ہر دو عالم کی کامیابی کا ضامن ہو، دیا۔ انسان کی ساری سوچ بچار، ساری تگ و دو اور انتخاب و اسمبلیاں صرف اس لیے ہیں کہ زندگی بسر کرنے کا بہترین طریقہ تلاش کیا جائے مگر ہم نے آسمان سے کتاب نازل فرما کر اللہ کی طرف سے تمہیں ایک مکمل ضابطۂ حیات دیا اور ساتھ ایک اولوالعزم رسُول بھیجا کہ صرف کتاب نافع نہیں جب تک دل پاک ہو کر اس کی تعلیمات کو قبول نہ کرنے لگ جائیں۔ جو صحبتِ رسُول کا حاصل ہے اور جب یہ استعداد حاصل ہو تب بھی کتاب اللہ کی شرح نبی اور رسُول ہی کر سکتا ہے کہ ہمیشہ کتاب میں اجمال ہوتا ہے اور اس کی شرح انبیاء علیہم السلام فرماتے ہیں جو براہِ راست اللہ سے تعلیم پاتے ہیں۔

یہی حال یہاں ہے کہ سب سے عظیم کتاب سب سے عظیم رسُول ﷺ لائے اور جوتے کے تسمے باندھنے سے لے کر امورِ سلطنت تک ہر شے کی تعلیم فرمائی۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ جب دل ہی فیضانِ نبوت سے خالی ہوں تو کتاب سے کیا حاصل ہو سکے گا۔

پھر یہ بات صرف موسیٰ علیہ السلام پر ختم نہ کر دی بلکہ اُن کے بعد پے در پے رسُول بھیجے جو سب دلوں کو زندہ کرنے کی قوت رکھتے تھے اور فیضانِ باری کے خزینے تھے۔ حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے جن کے پاس واضح معجزات بھی تھے اور جبرائیل امین جیسے عظیم فرشتے بھی ہمہ وقت ان کی اطاعت میں کھڑے تھے کہ تعمیل ارشاد کریں۔ نبی سب معصوم عن الخطا ہوتے ہیں مگر اس کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کی ایک جزوی فضیلت بھی ارشاد فرمائی کہ جبرائیل علیہ السلام کے دم کرنے سے حمل قرار پایا۔ ولادت کے وقت وہی خادم تھے، پردے کے پیچھے خطاب فرما رہے تھے، بعد ولادت ساتھ رہے، زندگی بھر حفاظت کی اور انہی کے ذریعہ آسمان پر اُٹھائے گئے یعنی ان کا مزاج ہی کامل ملکوتی تھا کہ نہ جماع سے پیدا ہوئے اور نہ کبھی خود ہی کیا تھا۔

جماع اگرچہ خود اطاعت بن کر ثواب کا باعث بنتا ہے مگر یہ ایک ایسا فعل ہے جو مکمل توجہ اپنی طرف جذب کرتا ہے اور احوال میں چند لمحوں کے لیے ایک انقطاع پیدا کر دیتا ہے جس کی تلافی کے لیے پھر کچھ وقت کچھ محنت ضرور درکار ہوتی ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کے ہاں یہ بھی نہ تھا۔

اداریہ

مُعِز

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ۔۔۔(سورۃ المنافقون:8)

ع۔ز۔ت، ان حروف کا اجماع انسانی زندگی میں بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے، چونکہ لفظ صرف حروف کا مجموعہ ہی نہیں ہوتا بلکہ جذباتِ انسانی کی ترجمانی بھی کر رہا ہوتا ہے اور لفظ عزت یعنی احترام، تعظیم، توقیر حیاتِ انسانی میں انتہائی حساسیت کا حامل ہے۔ انسان کی تخلیق کو خالق کائنات نے احسن تقویم ارشاد فرمایا ہے۔ اور جو پہلو بحیثیت شکر گزاری یا ناشکری کے فیصلے کا عطاء فرمایا ہے وہ اسے عظمت کی بلندیوں یا بدبختی کی گہرائیوں تک پہنچانے کا سبب ہے اور یہی دار العمل کا امتحان ہے۔

ہمارے ہاں آج کی ایک بحث عام ہے کہ اسلام تو ہمارے پاس ہے مگر دنیاوی ترقی اور لیڈرشپ مغرب کے پاس ہے حالانکہ قرآن پاک تو عظمت کا وعدہ فرماتا ہے۔ تو پھر ایسا کیوں ہے؟ معزز قارئین کرام! آج جب میں اداریہ ھذا لکھ رہا ہوں تو اس بحث کے ظاہری پہلو کا ذاتی طور پر مشاہدہ بھی کر رہا ہوں کیونکہ یورپ کے visit پر ہوں اور فی الوقت جرمنی میں چند دن کا قیام چل رہا ہے۔ اس بحث کو سمجھنے کے لیے اگر دو پہلو مدنظر رکھیں جائیں تو حقیقت تک رسائی آسان ہو جائے گی۔ ایک تاریخ (history) اور دوسرا دینِ اسلام کے امور دنیا سے متعلق احکامات۔ جب تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو مغربی اقوام کی ترقی زیادہ دیر تک تاریخ کے اوراق کا ساتھ نہیں دے پاتی، مزید برآں تاریخ کے آئینے میں پوری دنیا کے ضابطہ ہائے حیات اور اعلیٰ اقدار چودہ (14) صدیوں سے پہلے دکھائی نہیں دیتیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ترقی یافتہ ممالک کی تاریخ کا مطالعہ ہی کافی ہے۔ دینِ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے، اس لیے فطری تقاضوں کو انتہائی خوبصورتی سے پورا کرتا ہے۔ نزولِ اسلام تقریباً تئیس سال میں ہوا اور تاریخ گواہ ہے کہ آنے والے تقریباً تئیس سالوں میں معلوم دنیا کے تین حصوں پر اسلام نافذ ہو چکا تھا۔ اس قلیل عرصے میں اتنی بڑی کامیابی کو غیر مسلم اقوام نے خصوصی اہمیت دی اور امورِ دنیا سے متعلق اصول، اسلام سے اخذ کیے جبکہ ہم نے دینی اور دنیوی دونوں پہلوؤں میں غفلت برتی جس کا نتیجہ تفریق اور محکومی کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔

دنیا، اقوام، تاریخ اور حق و باطل بہت وسیع موضوعات ہیں۔ اپنی استطاعت کو فقط بحث کی نظر کرنے کی بجائے ضرورت اس امر کی ہے کہ حقیقت آشنا ہوا جائے اور حقیقت یہ ہے کہ خالقِ کائنات نے اس کارگہہ حیات میں انسان کو اپنی بندگی کے لیے پسند فرمایا، لہٰذا ہم اپنے حصے کا کردار ادا کریں کہ جس کا حساب ہمیں دینا ہے اور جب ہم اس حقیقت کو پالیں گے تو "معز" یقیناً میرے اللہ پاک کی صفت ہے یوں دنیا میں بھی عزت لوٹ آئے گی۔

پھر سے عطا ہو عشق محمد ﷺ روشن پھر سے سینے ہوں
مار دے نفس امارہ یارب نفس نے ہم کو مارا ہے

(سیماب اویسی)

صاحبزادہ عبدالقدیر اعوان

ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے کچھ نہ ہونے اور اللہ کے سب کچھ ہونے کا احساس ہو جائے۔
ذاتِ باری کے معاملے میں اپنے نہ ہونے کا ادراک ہو جائے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سب کچھ وہ ہے۔

شیخ المکرم مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

طریقہ ذکر

ذکر شروع کرنے سے پہلے یہ تسبیحات پڑھیں: سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ○ أَسْتَغْفِرُ اللهَ رَبِّيْ مِنْ كُلِّ ذَنْبٍ وَّأَتُوْبُ إِلَيْهِ ○ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ○ أَعُوْذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○ بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ پھر ذکر شروع کردیں طریقہ نیچے درج ہے۔

دیئے گئے نقشے میں انسان کے سینے، ماتھے اور جسم پر لطائف کے مقامات بتائے گئے ہیں جن کا خیال کر کے ذکر کیا جاتا ہے۔

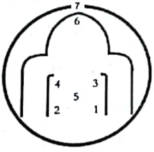

پہلا لطیفہ: مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ قلب پر لگے۔ **دوسرے لطیفے:** کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اللہ دل میں اترے اور خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ اس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹا لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتواں لطیفہ: ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ: لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ کہ رابطہ کے لئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پر لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" قلب کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھُو" کی چوٹ عرش عظیم سے جا ٹکرائے۔ ذکر کے بعد دعا مانگیں اور آخر میں شجرہ سلسلہ عالیہ پڑھیں جو اگلے صفحہ پر درج ہے۔

شجرہ مبارک

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ O

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

الٰہی بحرمتِ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

الٰہی بحرمتِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

الٰہی بحرمتِ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ابوایوب حضرت محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ سلطان العارفین حضرت خواجہ اللہ دین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ حضرت مولانا عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمت قلزم فیوضات حضرت العلّام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

الٰہی بحرمتِ ختم خواجگان خاتمۂ مَن و خاتمۂ حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہٗ العالی بخیر گردان

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

کلامِ شیخ

شیخ المکرّم شاعری فرماتے ہیں ان کے دو تخلص ہیں سیمابؔ اور فقیرؔ۔ شعری مجموعے درج ذیل ہیں۔

گردِ سفر	کون سی ایسی بات ہوئی ہے	نشانِ منزل
متاعِ فقیر	دل دروازہ	سوچ سمندر
آس جزیرہ		دیدہ تر

بہار

(منتخب اشعار)

تم نہیں آئے تو پھر یہ کس لیے
ایسے ویرانوں میں آتی ہے بہار؟

پیرہن کی تیرے خوشبو ہر دفعہ
یہ کہاں سے لے کے آتی ہے بہار

چاند کی کرنیں سجا کر رات کو
تیری تصویریں بناتی ہے بہار

تجھ سے ملنا، بیٹھنا، لڑنا کبھی
یاد کیا کیا کچھ دلاتی ہے بہار

تم نہ آئے لوٹ کر مدت ہوئی
لوٹ کر سو بار آتی ہے بہار

تیرے آنے کی ہیں اُمیدیں اُسے
فرش مخمل کے بچھاتی ہے بہار

جا کسی گل رخ سے کر انکھیلیاں
کیوں فقیروں کو ستاتی ہے بہار

آس جزیرہ سے انتخاب

اقوالِ شیخ

1۔ دل کی حیات وحی سے شروع ہوتی ہے اور نبیؐ ہی اس کو تقسیم فرماتا ہے لہٰذا یہ صرف مومن ہے جس کا دل زندہ ہو کر قبولِ علم کے قابل ہوتا ہے۔

(اسرار التنزیل، جلد:5، ص:109)

2۔ اگر سائنس کو قرآن کے تابع رکھ کر قرآن کو ماننے والے اس میں ترقی کرتے تو یہی سائنس انسانیت کی خدمت کر رہی ہوتی۔ اب جب یہ لاٹھی اندھوں کے ہاتھوں میں آئی، جنہیں قرآن اندھا کہتا ہے، تو ہر ایک کا سر پھوڑ رہی ہے۔

(ماہنامہ المرشد، اگست 2008ء، ص:19)

3۔ ہمارا عالم تو یہ ہے کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی دعوت قبول کر لی، ساری ضروریاتِ دین مان لیں لیکن اس کے باوجود ہم شریعت پر عمل نہیں کرتے بلکہ اپنی مرضی پر کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہماری بخشش ہو جائے۔

(اکرم التفاسیر، جلد19، ص:169)

4۔ اہل اللہ میں حضور ﷺ کے دستِ حق پرست پر روحانی بیعت کا کرنا ایک بہت اعلیٰ، اونچے اور ارفع مقام کا حامل ہے۔

(ارشاد السالکین، ص:51)

5۔ شیخ کی صحبت سے سب سے پہلی بات جو بندے کو نصیب ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ اُسے اللہ کے ہونے کا یقین ہو جاتا ہے۔ ماننا اور بات ہے اور یقین کرنا اور بات ہے۔

(کتابچہ اجتماع، ص:14)

6۔ اگر اللہ مشاہدہ نصیب کرے اور کشف کی نظر سے دیکھا جائے تو ہر مومن کا دل نور کی ایک تار سے محمد رسول اللہ ﷺ کے قلب اطہر کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اب وہ جتنی اطاعت کرتا ہے نور بڑھتا جاتا ہے۔

(اکرم التفاسیر، جلد:3، صفحہ:35)

7۔ بدکار کی مجلس اور دوستی سے اللہ بچائے کہ یہ باتوں باتوں میں تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔

(اسرار التنزیل، جلد5، ص:249)

8۔ ساری محبت کا نام ہے، محمد رسول اللہ ﷺ! اس نامِ نامی سے باہر محبت کا تصور نہیں۔

(ماہنامہ المرشد، نومبر 2006ء، ص:30)

9۔ جب اللہ کسی کو رسوا کرنا چاہتا ہے تو اس کی زبان پر نیک لوگوں کے لیے برے الفاظ جاری ہو جاتے ہیں۔

(اکرم التفاسیر، جلد:2، ص:255)

بیان 31 مئی 2015ء

انسانی فیصلے کی اہمیت

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ط وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ط اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ط بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ﴿۲۰﴾ (سورۃ الشوریٰ: 19-20)

اللہ کریم اپنے بندوں پر بہت زیادہ مہربان ہے۔ بندہ اس کے لطف وکرم کا ادراک نہیں کرسکتا۔ اللہ کی طرف سے ہر بندے پر کرم کی انتہا ہے۔ بندہ سمجھ ہی نہیں سکتا کس طرح اس کے وجود کے ایک ایک سیل کو پال رہا ہے۔ کس طرح کتنے سیل مرتے ہیں۔ کتنوں کو نئی حیات دیتا ہے۔ ایک وجود میں کتنی بے پناہ خصوصیات رکھ دیتا ہے۔ گرم وسرد زمانہ کو ہر کوئی اپنی حیثیت کے مطابق محسوس کرتا ہے۔ اس کی بے پناہ نعمتوں سے مستفید ہوتا ہے۔ ایک لقمہ جو وہ کھاتا ہے، اسے خبر نہیں کہ اس کا وہ رزق، کہاں کہاں سے، کن کن صورتوں میں، چل کر اس کے پاس پہنچا ہے وہ نہیں جانتا کہ ایک قطرہ پانی کے پیچھے کتنی کارگاہ حیات ہے۔ کم ازکم جو انسانی علوم نے اور انسانی عقول نے دریافت کیا تو اتنا ہی جانتا ہے کہ تمازتِ آفتاب بخارات بناتی ہے۔ بخارات سے بادل بنتے ہیں پھر بادل برستے ہیں، چشمے، نہریں، ندیاں، دریا بہتے ہیں اور روئے زمین پر انسانوں کو پانی دستیاب ہوتا ہے۔ جہاں تک انسانی علوم ہیں وہاں تک بھی اندازہ کیا جائے تو ایک قطرۂ آب کے پیچھے کتنی کارگاہ حیات ہے جس کو وہ متحرک رکھتا ہے۔ انسانی وجود میں ہم غذا لیتے ہیں، پانی پیتے ہیں، ہم نے تو کھالی، اب کتنا نظام ہے جو اس غذا کو جزو بدن بناتا ہے۔ ایک لقمے سے جزو بدن تک کتنا بڑا کارخانہ ہے جو ایک ایک ذرے کا تجزیہ کرتا ہے اسے الگ الگ کرتا ہے۔ کون سا ذرہ اس قابل ہے کہ وہ ہڈی مرمت کرے گا؟ کون سا ذرہ اس قابل ہے کہ اس سے گوشت بنے گا؟ کون سا ذرہ خون کا حصہ بنے گا؟ وہ کیسے تقسیم ہوں گے؟ ایک دوسرے سے کیسے جدا ہوں گے؟ وہ ذرات خون والے خون میں، گوشت والے گوشت میں، ہڈی والے ہڈی میں کیسے پہنچیں گے؟ یہ جو آنکھوں کی بینائی ہے، اس کی قوت کہاں سے نکل کر اس تک پہنچے گی؟ دماغ کو کون سا حصہ پہنچائے گا؟ دل کو کون سے ذرات پہنچیں گے؟ اگر آدمی غور کرنے بیٹھے، تو ایک ایک فرد کے اندر اتنی کارگاہ حیات ہے کہ کئی جہان آباد ہیں۔ ہمیں پتا نہیں ہے جو ملتا ہے کھا لیتے ہیں، جو ملتا ہے پی لیتے ہیں۔ لیکن اس کھانے پینے کا جزو بدن بننے تک کتنا لمبا پراسس (Process) ہے، اسے کون کرتا ہے؟ فرمایا: اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ اللہ اپنے بندوں پر انتہائی مہربان ہے۔ ہر فرد کے وہ بادشاہ ہے یا فقیر ہے، وہ بہت بڑا فاضل ہے یا جاہل ہے، وہ مزدور ہے یا مالک ہے اس کی کوئی حیثیت معاشرے میں ہے یا نہیں لیکن یہ پوری کارگاہ حیات اس کے وجود میں اس نے چلا رکھی ہے۔ جس طرح ایک بادشاہ کے وجود کو تعمیر کر رہا ہے عین اسی طرح ایک فقیر کے وجود کو بھی تعمیر کر رہا ہے۔ اپنے ہر بندے کے ساتھ بہت مہربان ہے۔ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۔۔۔ جس کو چاہتا ہے اسے رزق عطا کرتا ہے۔ یہ جو عام سی بات

ہے، جسے ہم کبھی کوئی اہمیت نہیں دیتے، یہ تعمیر وجود کی ہے۔ اگر اس پہ غور کیا جائے تو کتنی لمبی مشقت ہے اس کے پیچھے، ایک ذرہ خاک کو جزو بدن بننے تک۔ یہ تو ہر بندے کو حاصل ہے۔ پھر وہ کسی کو بے پناہ شعور عطا کر دیتا ہے، کسی کو بے حساب علم عطا کر دیتا ہے، کسی کو اقتدار عطا کر دیتا ہے، کسی کو جسمانی طاقت دے دیتا ہے۔ ہر بندے میں ایک کمپیوٹر، دماغ کے نام پر ہے جو اس نے فٹ کر دیا ہے۔ انسان اس کی حدوں کو نہیں پا سکا کہ اس میں کتنی قابلیت ہے یہ کہاں تک جا سکتا ہے؟ کہاں تک سوچ سکتا ہے؟

فرمایا: يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ ۔۔۔ تو یہ نعمتیں بانٹنے میں وہ اکیلا ہے۔ وہ اپنی پسند سے بانٹتا ہے۔ ایک ہی رزق سے ایک بندہ پہلوان بن جاتا ہے دوسرا کمزور رہ جاتا ہے۔ ایک ہی معاشرے میں ایک بندہ بہت بڑا عالم بن جاتا ہے ایک ان پڑھ رہ جاتا ہے۔ ایک ہی غذا سے ایک بندے کی نگاہ بہت تیز ہے؟ کہ بہت کمزور ہے۔ فرمایا، بندے کے پاس ہے کیا؟ وہ کیا کرتا ہے؟ اپنے بدن کی تعمیر اور دیکھ بھال نہیں کر سکتا تو دوسرے کا کیا کرے گا؟ یہ اس کا کرم ہے، اس کی مہربانی ہے کہ وہ ہر ایک پر یہ نعمتیں برسا رہا ہے۔

وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۱۹﴾ ۔۔۔ اس کی طاقت کا کوئی اندازہ نہیں، وہ بہت طاقت ور ہے اور غالب ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ کوئی اس کے کام میں رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا۔ وہ طاقتور بھی ہے، غالب بھی ہے۔ اب اس نے بندے کے ذمے کیا لگایا ہے؟ انسان کو ساری مخلوق میں فضیلت دی ہے اس لیے کہ انسان کو ایک خاص استعداد دی گئی ہے اور وہ ہے معرفتِ حق کی استعداد۔ ہر شے، ہر ذرہ اس کی اطاعت کرتا ہے۔ دائرہ تخلیق کا ہر ذرہ اس کا پیدا کردہ ہے اس کا تابع فرمان ہے، سرکشی نہیں کر سکتا۔ کائنات کا ہر فرد، ہر ذرہ حکم کا تابع ہے۔ انسان اس کی وہ واحد مخلوق ہے جسے اس نے اپنی معرفت، اپنی پہچان، اپنی ذات سے آشنائی کی استعداد دی ہے اور ہر پیدا ہونے والے بندے میں وہ استعداد رکھی ہے اور جب تک موت نہیں آجاتی تب تک وہ استعداد سلب نہیں ہوتی۔ برسوں بھٹکتا رہا، کفر و شرک میں چلا گیا جب توبہ کرے، رجوع الی اللہ کرے، وہ استعداد پھر سے زندہ ہو جاتی ہے ضائع نہیں ہوتی۔ ہاں! جب موت آتی ہے، تب تک اگر رجوع الی اللہ نہ کرے تو پھر وہ ختم کر دی جاتی ہے۔

انسانی مخلوق جو ہے، جس کے پاس یہ استعداد ہے، یہ دو حصوں میں بٹ جاتی ہے۔ کچھ خوش نصیب ایسے ہیں جو رہتے دنیا میں ہیں بستے آخرت میں ہیں۔ یہ جو ایک جملہ زبان زدِ عام ہے کہ دنیا تو سامنے ہے، آخرت کو کس نے دیکھا؟ یہ جو دنیا ہمارے سامنے ہے اس میں ہمیں خبر پہنچتی ہے۔ وہ غلط بھی ہو سکتی ہے۔ اس میں، ایک چیز ہماری نظروں میں ہے ہم اسے سمجھ نہیں سکتے، اس میں ہم چیزوں کو استعمال کرتے ہیں۔ انہیں سمجھ نہیں سکتے۔ ایک بندہ گاڑی میں سفر کر رہا ہے۔ گاڑی سے استفادہ کر رہا ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ گاڑی بھی چلا سکتا ہو۔ ایک بندہ ہوائی جہاز میں سفر کر رہا ہے، اس سے استفادہ کر رہا ہے لیکن ضروری نہیں کہ وہ جہاز اڑا بھی سکتا ہو۔ تو دنیا میں جو چیزیں ہم برتتے ہیں، ان کی بے شمار حقیقتوں سے ہم آشنا نہیں ہوتے۔ آخرت کی جتنی حقیقتیں اللہ نے اپنی کتابوں میں ارشاد فرمائیں۔ اس کے انبیاءؑ نے ان کی وضاحت کی۔ ہر جملے میں کسی میں کوئی شک نہیں ہے۔ قطعی اور یقینی ہے۔ ہم جو سمجھتے ہیں کہ دنیا کو ہم جانتے ہیں تو ہمارا عالم تو یہ ہے کہ ہم چیز کھا لیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بڑی میٹھی ہے، بڑی لذیذ ہے، بہت خوشگوار ہے۔ جب وہ پیٹ میں جاتی ہے تو ہم بیمار ہو جاتے ہیں، اگر ہمیں پتا ہوتا کہ یہ بظاہر میٹھی ہے لیکن معدے میں جائے گی تو بیماری پیدا کرے گی تو ہم کیوں کھاتے؟ جس دنیا کے بارے میں ہمیں دعویٰ ہے کہ دنیا تو ہم دیکھ رہے ہیں۔ ہمیں دنیا کا بھی پتا کوئی نہیں۔ ہم چیزیں دیکھتے ہیں لگتا ہے کوئی اونٹ کھڑا ہے، آگے جاتے ہیں پتا چلتا ہے نہیں اونٹ تو نہیں ہے بیل ہو سکتا ہے اور آگے جاتے ہیں تو وہ جھاڑی نکلتی ہے۔ کچھ بھی نہیں تھا، یہاں تو ایک جھاڑی تھی۔ ہمارا دنیوی علم اس طرح سے ہے۔ چیزیں ہمیں نظر کچھ آتی ہیں، ہوتی کچھ ہیں۔ ان کے آگے نتائج اور اثرات بھی اور کچھ ہوتے ہیں تو ہم دنیا کو بھی، کوئی نہیں سمجھتے۔ چونکہ دنیا کا جتنا علم ہے یہ اندازوں اور تخمینوں پر ہے، وہ صحیح بھی ہو سکتے ہیں، وہ غلط بھی ہو جاتے ہیں۔ آخرت کا جتنا علم ہے وہ اللہ کریم نے بتایا۔ اپنی کتابوں میں بتایا یا اپنے انبیاءؑ کی معرفت ایک ایک حقیقت بتائی اور جتنے حقائق آخرت کے انبیاءؑ نے بتائے ہیں وہ سارے درست ہیں۔ ان میں کسی میں شبہ کی گنجائش بھی نہیں ہے پھر یقینی علم تو ہمارے پاس آخرت کا ہے۔

دنیا کا علم جس پر ہمیں ناز ہے، یہ تو موہوم ہے۔ ہمارا صحیح بھی نکل سکتا ہے، غلط بھی نکل سکتا ہے۔ چیزوں کے بارے ہمارے اندازے درست بھی ہوتے ہیں، غلط بھی ہوتے ہیں۔ لوگوں کے بارے، بندوں کے ساتھ، ہماری عمر بسر ہوجاتی ہے اور بڑا مشکل ہے کہ بیوی میاں کو سمجھ سکے یا میاں بیوی کو سمجھ سکے۔ عمریں اکٹھی بسر ہوجاتی ہیں کوئی پتا نہیں ہوتا کہ کون سا فرد کب دھوکا دے جائے۔ کوئی پتا نہیں ہوتا کون سا فرد کس حد تک میرے ساتھ ہے۔ دل سے ہے، دماغ سے ہے، دنیوی لحاظ سے ہے یا واقعی میرے ساتھ ہے۔ بہن بھائی میں، بھائیوں میں، ماں باپ میں، اولاد میں، رشتوں میں ہم یقین سے کچھ کہہ نہیں سکتے کہ کون، کس وقت، کہاں بدل جائے گا۔ تو کیا علم ہے ہمارے پاس دنیا کا؟ غذا کے بارے میں ہم نہیں جانتے کہ کون سا گھونٹ پانی کا، میرے لیے سمِ قاتل ہوگا۔ افراد کے بارے ہم نہیں جانتے۔ بڑی تحقیق وجستجو سے دوائیں لیتے ہیں بیماری کی، شفا کے لیے۔ بیماری تو ٹھیک ہوتی نہیں ایک اور بیماری چمٹ جاتی ہے پھر پتا چلتا ہے کہ یہ اس کا سائیڈ افیکٹ (Side Effect) ہے۔ ہم جانتے ہوتے تو کیوں کھاتے؟ تو جس دنیا پہ ہمیں بڑا ناز ہے کہ ہم جانتے ہیں ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔ ہم اندازے سے ہی جی رہے ہیں لیکن یہ غلط فہمی ہر بندے کے ذہن میں ہے کہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ میں بہت جانتا ہوں، میرا بڑا تجربہ ہے، اپنے آپ کو دھوکے میں رکھنے کے لیے ہم ایسا کرتے رہتے ہیں۔

آخرت کا، اس دنیا کے بعد کا، اس کے نتیجے کا، آخرت میں پتا چلے گا۔ آخر ایک انسان روئے زمین سے ذرات جمع کر کے، کہاں کہاں سے آ کر ایک انسان کا وجود بنتا ہے۔ اس کے سیل مرتے رہتے ہیں نئے بنتے رہتے ہیں۔ ان کی غذا کہاں سے آ رہی ہے؟ یہ دنیا میں آتا ہے اپنا کردار ادا کرتا ہے پھر یہ مر جاتا ہے۔ ایک ہجوم ہے لوگوں کا، کروڑوں لوگ روز پیدا ہوتے ہیں اور کروڑوں روز مرتے ہیں۔ عالم آباد ہے، کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن کیا یہ کبھی کسی نے سوچنے کا تکلف کیا کہ یہ کروڑوں لوگ جو روز دنیا میں وارد ہوتے ہیں کہاں سے آ رہے ہیں؟ کب سے معمورۂ عالم آباد ہے؟ اور کب تک رہے گا؟ یہ اتنی مخلوق کہاں ہے؟ کس گوشے میں، کس کونے میں، چھپی ہوئی ہے جو روزانہ دنیا میں چلے آ رہے ہیں، چلے آ رہے ہیں، چلے آ رہے ہیں اور اتنا ہی ایک طوفان ہے لوگوں کا، جو چلا جا رہا ہے، کہاں جا رہا ہے؟ کیوں جا رہا ہے؟ کیا یہ تماشا اتنا ہی ہے کہ لوگ آئے، یہاں کچھ دیر ٹھہرے چلے گئے، آئے کہاں سے؟ گئے کہاں؟ کون لایا انہیں؟ کس کے پاس چلے گئے؟ اس کا کوئی نتیجہ کیا ہوا؟ کیا ہوگا؟ کہاں جا رہے ہیں؟ کہاں بس رہے ہیں؟ بظاہر تو ہم انہیں اسی زمین میں دفن کیے جا رہے ہیں، کیسے جا رہے ہیں۔ اسی زمین سے نئے پیدا ہو رہے ہیں۔ ان کے اجزا بن رہے ہیں تو اس میں کیا کیا کچھ ہے؟ اب جو یہاں سے چلے گئے، وہ کہاں گئے؟ اس کا نتیجہ کیا ہے؟ یہاں رہنے کا ماحصل کیا ہے؟ کچھ تو ہونا چاہیے، اتنا لمبا نظام ہے تو اس کا نتیجہ کیا ہے؟ باقی مخلوق کا ہم نتیجہ نکال لیتے ہیں تو کہتے ہیں دنیا کی جو چیز انسان کے استعمال میں آ گئی وہ اپنا مقصدِ حیات پا گئی۔ پتھر ہے، انسان نے اسے استعمال کر لیا، دیوار بنالی، سڑک بنالی، راستہ بنالیا وہ اپنا مقصدِ حیات پا گیا۔ وہ بنا انسان کی خدمت کے لیے ہے۔ جانور ہے، اس پر انسان نے سواری کر لی، وہ اپنا مقصدِ حیات پا گیا۔ اس کی کھال اتار کر جوتے بنا لیے، وہ بنا ہی اسی لیے تھا۔ اس کا گوشت کھا لیا، وہ کام آ گیا، وہ بنا ہی اسی لیے تھا۔ اس کے بال استعمال کر لیے، کھال استعمال کر لی۔ پرندے، درندے، دنیا کی ہر چیز جو انسانی خدمت میں کام آ گئی وہ اپنا مقصدِ حیات پا گئی۔ یہ ساری کائنات، سورج، چاند، ستارے سیارے جو جو اپنی ذمہ داری پوری کر رہے ہیں اگر انسان اس سے مستفید ہوتا ہے تو وہ اپنا مقصدِ حیات پا گیا۔

تو انسان کا مقصدِ حیات کیا ہے؟ اگر کائنات کی ہر شئے کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسان کے کام آئے تو انسان کا مقصدِ حیات بھی تو کوئی ہونا چاہیے۔ اس پہ ہم کبھی توجہ نہیں کرتے، سوچتے نہیں۔ اگر کوئی سمجھتا ہے، جاننا چاہتا ہے تو اسے پھر اللہ سے رجوع کرنا پڑتا ہے، اللہ سے پوچھنا پڑتا ہے۔ اللہ سے پوچھنے کا راستہ اللہ کا رسول ﷺ ہیں۔ ہر بندہ براہِ راست کلامِ باری سے مشرف نہیں ہوسکتا۔ یہ انبیاءؑ کا منصب جلیلہ ہے کہ وہ کلامِ باری سے مشرف ہوتے ہیں۔ جب ہم انبیاءؑ سے پوچھتے ہیں تو وہ ہمیں دنیا سے زیادہ وضاحت کے ساتھ آخرت کی باتیں بتاتے ہیں کہ دنیا عارضی ٹھکانہ ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: کن فی الدنیا کانک

غریب۔۔۔(عن ابن عمر رضی اللہ عنہ، رواہ البخاری، 6416) دنیا میں ایک غریب الوطن مسافر کی طرح رہو، دنیا سے چمٹ نہ جاؤ، جس طرح مسافر کہیں جاتا ہے تو دوران سفر وہ کہیں چمٹ نہیں جاتا، اسے گھر پہنچنا ہوتا ہے۔ وہ خوبصورت شہروں سے بھی گزرتا ہے، خوبصورت کھانے بھی کھاتا ہے، خوبصورت جگہوں سے بھی گزرتا ہے لیکن کہیں اٹکتا نہیں ہے۔ جس کام کو نکلا تھا وہ کام کر کے گھر جاتا ہے۔ فرمایا: دنیا میں مسافر کی طرح رہو۔ اوعابر سبیل یا اس طرح رہو جیسے راہ چلتا مسافر ہوتا ہے۔ چل رہا ہے، تھک گیا، کہیں کوئی سایہ نظر آیا، درخت آ گیا، چشمہ آ گیا، پانی پی لیا، درخت آ گیا ستا لیا۔ لیکن وہ مسافر وہاں بیٹھ تو نہیں رہتا کہ مجھے یہیں رہنا ہے ستا کے چل دیتا ہے۔ دنیا میں غریب الوطن مسافر کی طرح رہو یا اس راہ رو کی طرح رہو۔ وعد انفسك من اهل القبور (جامع ترمذی) اور اپنے آپ کو قبروں والوں میں شمار کیا کرو کہ میں نے جا کر وہاں رہنا ہے۔ اب قبر کی حقیقت کیا ہے؟ فرماتے ہیں دنیا کے بازار سے گزرتے ہوئے تم بھی اپنے لیے کچھ چیزیں لے رہے ہو۔ کھانا پانی بھی لے رہے ہو، بستر چارپائی بھی لے رہے ہو۔ اپنی زندگی کی ساری ضروریات تم یہاں سے پوری کر رہے ہو تمہارا سرمایہ تمہاری حیات کا ایک ایک لحہ ہے۔ تم یہ سکہ خرچ کر کے دنیا سے چیزیں خرید رہے ہو کہ جب تم آخرت کے گھر میں جاؤ گے تو ان چیزوں کے ساتھ بسر کرو گے۔ اب تم کیا خرید رہے ہو؟ عذاب خرید رہے ہو۔ اللہ کی ناراضگی خرید رہے ہو تو جب وہاں پہنچو گے تو وہی کچھ تمہارے پاس ہوگا۔ اگر دنیا میں تم اللہ کا عشق خرید رہے ہو، اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت خرید رہے ہو۔ زندگی دنیا کی دونوں حالتوں میں بسر ہو جائے گی۔ چوری کر کے لاؤ گے، رشوت کر کے لاؤ گے، ڈاکہ کر کے لاؤ گے، چند لقمے ہی نصیب ہیں۔ لیکن اس کا اثر آخرت میں یہ ہوگا، تم نے جو خریدا وہ آپ کے گھر میں موجود ہے، برتو۔ اللہ کریم فرماتے ہیں، میں یہاں بھی بڑا کریم ہوں، بہت بڑی مہربانی کرتا ہوں ومن کان یرید حرث الاخرۃ۔۔۔ جو کوئی آخرت کی کھیتی کا ارادہ کر لیتا ہے، جو کوئی ایسے کام کرتا ہے کہ مجھے اللہ کی رضا نصیب ہو، میری آخرت سنور جائے۔ نزدلہ فی حرثہ۔۔۔ اس کی کھیتی میں بہت زیادتی کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے لیے آخرت کا ایک بستر خریدتا ہے، ہم اسے ہزاروں ساتھ دے دیتے ہیں، وہ ایک گھونٹ پانی کا اہتمام کرتا ہے، ایک نیکی کرتا ہے جس کے بدلے میں اسے آخرت میں ایک گھونٹ مل جائے۔ ہم چاہیں تو اسے دریا دے دیتے ہیں یعنی جو بھی آخرت کے لیے کوشش کرتا ہے انعامات الٰہی پاتا ہے۔ آخرت کے لیے کوشش کیا ہے؟ اسی دنیا میں یہی غذا، یہی پہننا، کھانا سونا، جاگنا اس کا اللہ کریم نے ایک میزان بنا دیا ہے، ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے، ایک طریقہ متعین کر دیا۔ سونے سے نہیں روکا، کھانے سے نہیں روکا۔ کمانے سے نہیں روکا، شادی کرنے سے نہیں روکا، اولاد پالنے سے نہیں روکا۔ دوستی، دشمنی کسی کام سے روکا نہیں ہے۔ جتنے کام ہیں یہ اللہ ہی نے تمہیں دیئے ہیں، سارے کرو۔ فرمایا: لیکن اس طرح کرو جس طرح میں کہتا ہوں۔ بس اتنی سی بات ہے۔ یہ نہیں کہا کہ بالکل سوؤ نہیں جو سوئے گا، اسے کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ نہیں بے شک سوؤ، سونے پر بھی ثواب ہے۔ یہ نہیں کہا کہ کھاؤ نہیں۔ کھاؤ پیو: يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ؁ (سورۃ المومنون: 51)۔۔۔ کھاؤ پیو، ضائع نہ کرو۔ اب یہ کون سا مشکل کام ہے، کہتے ہیں، دین بہت مشکل ہے۔ حکم ہے کہ کھاؤ پیو، جتنا چاہتے ہو کھاؤ لیکن ضائع نہ کرو، اس میں مشکل ہے یا صحیح ہے؟ فرمایا: جو آخرت کا ارادہ کر لیتا ہے! وہ دنیا میں اس طرح رہنا چاہتا ہے جس طرح اللہ کریم نے اور اللہ کے نبی ﷺ اور اللہ کی کتاب نے بتا دیا ہے۔ نزدلہ فی حرثہ۔۔۔ وہ کماتا تھوڑا ہے، ہم اسے عطا زیادہ کرتے ہیں۔ اس کے کاموں کے اجر میں زیادتی کر دیتے ہیں۔ کتنی کرتے ہیں؟ یہ اس کی مرضی۔ دوگنا دیتے ہیں، دس گنا دیتے ہیں، دس ہزار گنا دیتے ہیں، دس لاکھ، یہ وہ اپنی شان کے مطابق دیتے ہیں۔

حضرت عبداللہ ابن مبارک ایک بزرگ تھے۔ اللہ کے نیک بندے۔ بہت امیر آدمی، ایک دن ان کے پاس ایک بڑھیا ایک چھوٹا سا برتن لیے ہوئے آئی اور اس نے عرض کی کہ حضرت، میرے گھر میں ایک فرد بیمار ہے اور حکیم نے دوائی شہد کے ساتھ تجویز کی ہے تو میرے پاس تو ہمت نہیں کہ بازار سے شہد خرید لاؤں تو آپ مجھے اپنے توشہ خانے سے

تھوڑا سا شہد دلوادیں، اس کے پاس کوئی چھوٹا سا کٹورا تھا۔ تو اس عہد میں امراء کے ہاں یہ چھوٹے بکرے جو ہوتے ہیں۔ یہ جب ذبح ہوجاتے تھے تو ان کی کھال کے مشکیزے بناتے تھے۔ شہد کے وہ مشکیزے رکھے ہوتے تھے۔ ایک، ایک بوتل میں، کلو سے زیادہ آجاتا ہے تو مشکیزے میں تو دس، پندرہ، بیس کلو آتا ہوگا۔ وہ چھوٹے بکروں کے مشکیزے ہوتے تھے تو انہوں نے خزانچی کی طرف دیکھا تو فرمایا، شہد کا ایک مشکیزہ توشہ خانہ سے لے آؤ۔ وہ مشکیزہ لے آیا۔ انہوں نے کہا اس بڑھیا کو دے دو۔ وہ لے کر چلی گئی تو ساتھ جو کوئی ان کے دوست بیٹھے تھے انہوں نے عرض کی کہ حضرت! اسے چھٹانک بھر چاہیے تھا وہ پاؤ بھر کا برتن لے آئی۔ آپ نے مشکیزہ دے دیا۔ عجیب بات ہے! اسے اتنا سا چاہیے تھا دو تین دن دوائی کے لیے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس نے مانگا اپنی ہمت کے مطابق اس کے لیے وہ ایک کٹورا شہد بھی بہت قیمتی تھا۔ مجھے اللہ سے حیا آئی کہ اس نے میرے توشہ خانے میں کتنے مشکیزے دیے تو جتنی اللہ نے مجھے حیثیت دی ہے اس کے مطابق میں نے دے دیا۔ اس کی جو سوچ تھی وہ اس کی حیثیت کے مطابق تھی۔ اس کے لئے تو کٹورا بھی خزانہ تھا لیکن اللہ نے جو مجھے حیثیت دی ہے، میرا توشہ خانے کی دیواریں ان مشکیزوں سے بھری پڑی ہیں۔ میں نے کہا، اللہ کریم ناراض نہ ہوں کہ میں نے تجھے اتنا دیا ہے، اب تو میرے نام پہ اس کٹوری میں ڈال رہا ہے۔ تو اگر اللہ کے بندوں کو اتنی حیا ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق دیں تو اس کی شان کتنی عظیم ہے۔ جب وہ نیکیوں کے اجر میں اضافہ کرتا ہے تو اپنی شان کے مطابق کرتا ہے۔ جب وہ فرماتا ہے نزدلہ فی حرثہ ---اس کی محنت ومشقت یا اس کھیتی میں اضافہ کرتا ہوں تو وہ اپنی شان کے مطابق کرے گا۔ ومن کان یرید حرث الدنیا---لیکن یہ اختیار لوگوں کو دیا ہے۔ اب جو آخرت کو چھوڑ کر صرف دنیا لینا چاہتا ہے، پاک ناپاک، حلال حرام، جائز ناجائز، اللہ کا حکم یا اللہ کے نبی ﷺ کی سنت کی یا اللہ کی کتاب کی پروا نہیں کرتا کہ مجھے تو دنیا چاہیے، اقتدار چاہیے، حکومت چاہیے، اختیار چاہیے دولت چاہیے، امارت چاہیے تو فرماتے ہیں: ومن کان یرید حرث الدنیا نوتہ منہا---ہم اسے کچھ نہ کچھ دنیا سے دے دیتے ہیں جتنی اس کی آرزو ہوتی ہے اتنا نہیں ملتا۔ یہ بادشاہ جو ہیں، جن کے پاس ممالک ہیں

اور پورے پورے ملک پر حکمران ہیں پھر وہ دوسروں سے کیوں لڑ رہے ہیں؟ ایک کاشت کار چند کھیتوں پہ گزارہ کرلیتا ہے تو پورا ملک ان کی ملکیت ہے پھر انہیں کسی سے لڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ ہوس میں پورا ملک لینے کے بعد پھر ہوتا ہے کہ کچھ اور بھی قابو کرلو۔ لوٹ لوٹ کر لوگوں نے دنیا کے، باہر کے، بینک بھر دیے پھر لگے ہوئے ہیں لوٹنے کو۔ کیوں؟ کیا یقین ہے کہ وہ سارا کھالو گے جو باہر رکھا ہے، جو یہاں پڑا ہے سارا کھالو گے؟ کماؤ جائز حلال طریقے سے، لوٹ میں کیوں لگے ہوئے ہو؟ اس کا مطلب ہے ان کی خواہشات بڑی ہوتی ہیں، دیتا انہیں تھوڑا ہے۔ اس لیے کسی کا جی نہیں بھرتا۔ ہمیشہ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ۝ (سورۃ ق: 30)---اور کچھ مل جائے اور کچھ مل جائے۔ فرمایا: جو یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہمیں دنیا ہی کی کھیتی چاہیے نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ (سورۃ آل عمران: 145)---کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں یعنی کبھی دنیادار کی آرزو پوری نہیں ہوتی تڑپتا ہی مرجاتا ہے، اور چاہیے اور چاہیے۔ یہ عہدہ مل گیا، اس سے بڑا مل جائے، وہ مل گیا، اس سے بڑا مل جائے۔ کرتے کرتے، ملک کا وزیراعظم بن گیا۔ ملک کا صدر بن گیا۔ یہ تو دو چار سال ہیں ختم ہوجائیں گے پھر حسرت ہی رہی۔ وہ حسرت وہیں رہ گئی تو فرمایا: جو یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہمیں دنیا ہی چاہیے تو کچھ نہ کچھ دنیا کا انہیں دے دیتے ہیں اور جو آخرت کے لیے کماتا ہے اگرچہ تھوڑا کماتا ہے ہم اسے زیادہ کردیتے ہیں۔ اس نے کمایا تھوڑا ہوتا ہے، ہم بڑھا دیتے ہیں۔ کتنا بڑھا دیتے ہیں؟ جتنا اس کی شان ہے، اس کے مطابق کرے گا یا جتنا کسی کا اس کے ساتھ خلوص ہے اتنا کرے گا۔ وہ جانتا ہے لیکن کوئی بھی آخرت کمانے والا اس اضافے سے محروم نہیں رہے گا۔ اسے ضرور اس کی محنت سے بہت زیادہ عطا فرماتا ہے۔ جو فیصلہ کرتے ہیں ہمیں دنیا ہی چاہیے فرمایا: نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ (سورۃ آل عمران: 145)---کچھ نہ کچھ اس میں سے اسے دے دیتے ہیں۔ اس لیے ساری زندگی تڑپتا رہتا ہے هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ۝ (سورۃ ق: 30)---کچھ اور مل جائے، کچھ اور مل جائے، کچھ اور مل جائے۔ اسی میں موت آجاتی ہے۔ کبھی اس کا پیٹ بھرتا ہی نہیں۔ دنیا میں سے بھی سارا نہیں ملتا۔

اب اس نے فیصلہ دنیا کا کیا تھا۔ آخرت کی تمنا نہیں تھی لہٰذا فرمایا: وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ۝---آخرت میں اسے کوئی قطرہ

بھی نصیب نہیں۔ فیصلہ کرلیا دنیا کا تو محروم رہ گیا آخرت سے۔ جہاں ابدی، دائمی ہمیشہ کی زندگی ہے وہاں کچھ نہ پاسکا اور جہاں چندے رہنا ہے یہاں بھی پورا نہ پاسکا۔ کوئی دنیادار آپ کو سیر شکم نہیں ملے گا کہ وہ کہے کہ میں سیر شکم ہوں کہ بس! میرا پیٹ بھر گیا، نہیں۔ جتنی اس کے پاس خواہشات ہوتی ہیں اس سے اس کے پاس کم ہوتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے پاس بہت زیادہ ہے لیکن اس کی خواہشات اس سے بھی بڑھی ہوئی ہوتی ہیں، وہ ساری عمر تڑپتا ہی رہ جاتا ہے۔ وہ بھی مل جاتا، وہ مل جاتا، وہ بھی مل جاتا۔ تو یہ دنیا و آخرت کی تصویر پیش کرتی ہے اللہ کی کتاب، اللہ کا قرآن، اللہ کا کلام۔ وہ کتنا کریم ہے کہ کتنی باریکیاں بتادیتا ہے انسان کو۔ اسے کتاب مبین اس لیے کہا کہ باتیں کھول کے، واضح کرکے، بیان کرکے بتادیں۔ کبھی ہمیں فرصت ملے، چند لمحے ہمارے پاس ہوں ہم ان باتوں پہ غور کریں تو ہمیں سمجھ آئے کہ اللہ کتنا کریم ہے۔ جو لوگ عذاب اختیار کرتے ہیں وہ اس کے کرم کو دھکے دے دے کے، اپنے سے دور کرکے، بڑی محنت کرکے، مشقت کرکے، ساری زندگی پریشانیاں اٹھا اٹھا کر، بے قرار ہوکر اور مصیبتیں جھیل جھیل کر بڑی مشکل سے جاکر دوزخ میں پہنچتے ہیں۔ چوریاں، ڈاکے، رشوتیں، دھوکے، جھوٹ، کیا کیا تماشے کرکے، بڑی محنت اور بڑی مشکل کے بعد جاکر، جہنم میں پہنچتے ہیں کہ اب یہاں ستائیں گے۔

جنت میں جانے والے کو فرماتا ہے کہ کوئی ایک قدم اٹھاتا ہے میں اسے سینکڑوں میل آگے کردیتا ہوں۔ نزدلہ فی حرثہ۔۔۔ اس کا اجر بڑھادیتا ہوں، اس کی محنت تھوڑی ہوتی ہے اجر بڑھادیتا ہوں۔ جنت میں جانا مفت میں جانا ہے، بھئی! ہمیں کرنا کیا ہے؟ روٹی چاہیے، کپڑا چاہیے، سر چھپانے کو جگہ چاہیے، بیماری کے لیے دوا چاہیے، بچے پالنے کے لیے روزی، غذا چاہیے۔ فرماتا ہے، سب کچھ کرو۔ انہیں حاصل کرنے کا طریقہ، بس میرا ہوگا اور خرچ کرنے کا طریقہ بھی، میں بتاؤں گا۔ استعمال تم نے کرنا ہے، کرو، جو چاہیے دنیا سے، وہ برتو لیکن میرے کہنے کے مطابق، تمہیں نہیں پتا کہ چیزوں کی حقیقت کیا ہے۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ یہ نقصان دہ ہے، اس کے قریب مت جاؤ۔

اب ٹیلیویژن، اخبار سارے بھرے پڑے ہیں کہ جو شہروں میں گوشت بک رہا ہے اس میں آدھے سے زیادہ گدھے کا ہے تو پھر بھی لوگ کھا ہی رہے ہیں اور ان کی ظاہری صحت بھی خراب نہیں ہوئی۔ لیکن اس حرام کا اثر ان کے کردار پر کیا پڑے گا؟ ان کی سوچوں پہ کیا پڑے گا؟ آگے وہ کس برائی میں ملوث ہوں گے؟ کس طرح آخرت تباہ ہوگی؟ اس طرف، اس کا خیال ہی نہیں۔ ہم عجیب لوگ ہیں کہ ہمارے ہاں بازاروں میں مرغ بکتا ہے کہ جی ٹھنڈی مرغی کا ریٹ یہ ہے، گرم مرغی کا ریٹ یہ ہے۔ مارکیٹ میں بکتا ہے کوئی چوری چھپے نہیں۔ یہ ٹھنڈی مرغی کیا ہے؟ جو حرام ہوگئی وہ ٹھنڈی ہے، جو زندہ ہے وہ گرم مرغی ہے۔ اب یہ جو ٹھیلے ہوتے ہیں یا جو ہوٹلوں والے پکاتے ہیں، انہیں تو پیسے بچانے ہوتے ہیں۔ یہ میرا گمان ہے، زیادہ وہی ٹھنڈی مرغی لیتے ہوں گے کہ وہ آدھی قیمت پہ ملتی ہے۔ ایسے بھی ہوں گے جو حرام نہیں پکاتے لیکن لوگوں نے پیسہ بنانا ہے، انہیں جہاں سے سستی چیز ملے گی، لے لیں گے۔ یہ جو گدھے کھائے جارہے ہیں، یہ تو سستے بھی نہیں ہیں۔ سستے بھی نہیں مل رہے، یہ تو اسی ریٹ پہ بک رہے ہیں جس پر حلال گوشت بک رہا ہے۔ میرا خیال ہے حکومت کو چاہیے، روک تو سکتی نہیں، ان کے نرخ مقرر کردے کہ حرام ذرا سستا بیچو۔ روکنا کیا ہے، انہیں یہ بھی نہیں پتا کہ ان کے اپنے کھانے میں بھی گدھا آرہا ہے یا گائے آرہی ہے۔ تو روکے گا کون؟ اللہ پناہ دے، جن چیزوں سے اللہ نے روکا ہے کہ یہ نہ کھاؤ، ان کا انسانی اخلاقیات پر اثر پڑتا ہے، ایمانیات پر اثر پڑتا ہے۔ جب کوئی حرام کھاتا ہے، حرام سے جب خون بنتا ہے، حرام سے جب گوشت بنتا ہے، ہڈیاں بنتی ہیں، دل کی دھڑکنیں جب حرام سے چلتی ہیں تو ان میں صحیح سوچیں پیدا نہیں ہوتیں۔ ان میں ایمان و یقین پیدا نہیں ہوتا۔ جو پیشانیاں، جن کا گوشت حرام سے بنا ہے، وہ سجدوں سے محروم ہوجاتی ہیں۔ جن چیزوں سے اللہ کریم نے روکا ہے، ان سے دنیوی صحت بھی خراب ہوتی ہے اور آخرت تباہ ہوجاتی ہے۔ اس لیے اس نے روکا ہے۔ بعض لوگ سوال کر بیٹھتے ہیں کہ حرام اس قدر خراب چیز ہے، اتنی خراب تھی تو اللہ بناتے ہی نہیں۔ بھئی! بناتے ہی نہیں تو تمہاری یہاں جانچ کیسے ہوتی؟ تم جو اس بازار میں آزمائش کے لیے آئے ہو تو اگر اس میں مفید مفید چیزیں ہوتیں تو پھر تو سب نے مفید ہی لینی تھیں۔ سارے

لوگ ولی اللہ ہی ہوتے۔ آزمائش ہی اس بات کی ہے کہ ایک ٹوکرے میں فروٹ ہے، ایک میں سانپ اور بچھو ہیں، دونوں سامنے ہیں۔ تم کس سے خریدنا چاہتے ہو؟ یہی تو اختیار ہے، انسان کے پاس۔ مواقع برائی کے موجود ہیں۔ اللہ کی عظمت کا قائل ہو کر، اللہ سے ڈر کر بچنا چاہتے ہو تو فرماتے ہیں، میں تمہیں سنبھال لوں گا۔ برائی کی طرف جانا چاہتے ہو تو تمہارا انتخاب ہے، پھر بھی گناہ گاروں پہ بھی یہ کرم کیا ہے کہ جتنا جرم کریں گے اتنی سزا دوں گا زیادہ نہیں۔ اب یہ الگ بات ہے کہ جرم، اللہ کی نافرمانی ہے۔ اس کی سزا بھی اتنی ہی بڑی ہوگی، جتنے بڑے حاکم کی نافرمانی ہے تو اللہ اس سے بچائے۔ لیکن یہاں پھر یہ کرم فرمایا کہ آخرت کے لیے جو اللہ کے حکم کے مطابق جینا چاہتے ہیں، وہ محنت تھوڑی کریں گے، ہم ان کا اجر بہت زیادہ بڑھا دیتے ہیں اور جو فیصلہ کرتے ہیں کہ دنیا ہی لوٹنی ہے تو کچھ نہ کچھ انہیں بھی دے دیتے ہیں لیکن وہ آخرت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ یہ سارا نصاب بتا کر اختیار بندے پہ چھوڑا ہے کہ وہ کیا اختیار کرتا ہے؟ اپنے لیے اسے کیا چاہیے؟

ہمیں یہاں بھی ایک غلطی لگ جاتی ہے۔ ہم ہفتہ بھر نمازیں پڑھیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اللہ پر بڑا احسان کیا ہے، اب ہمیں اللہ کے ساتھ شریک ہو جانا چاہیے۔ کائنات کا نظام ایسے چلے جیسے میں کہتا ہوں۔ بندہ عبادت کر کے خدا نہیں بن جاتا ہے؟ عبادت بندے کو مزید بندہ بناتی ہے، خدا نہیں بناتی۔ یہ آرزو کہ جو میں چاہوں وہ ہو جائے، یہ تو خدا بننے کی آرزو ہے۔ بندہ خدا نہیں بن سکتا۔ ہوگا وہی جو وہ چاہے گا، وہ واحد ولاشریک ہے کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہے، نہ کوئی ہو سکتا ہے۔ دعا عاجزانہ درخواست ہے اور اس کا کمال یہ ہے کہ بندہ اللہ سے بات کر لیتا ہے۔ ہوتا کیا ہے؟ ہونا وہ ہے جو وہ چاہے گا؟ وہ جانتا ہے کہ کس بات کا کیا نتیجہ ہے۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ جو میں مانگ رہا ہوں یہ میرے لیے نفع بخش ہے یا نقصان دہ۔ ہم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ دنیا میں لوگوں نے منتیں مانگ مانگ کر اولاد لی ہے اور اسی بیٹے کے ہاتھوں باپ قتل بھی ہو گیا۔ ایسا ہوتا ہے تو پھر کیا پتا کہ ہم کیا مانگ رہے ہیں، اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ تو ہم دنیا کے فیصلے کیسے کر سکتے ہیں جب ہمیں اپنے بارے میں خبر نہیں ہے۔ عبادت کرنے سے بندہ مزید بندہ بنتا ہے۔ صاف ستھرا بندہ بنتا ہے۔ پرخلوص بندہ بنتا ہے۔ اللہ کا شریک نہیں بن جاتا کہ دنیا کے فیصلے وہ کرنے لگ جائے۔ وہ جانتا ہی نہیں تو کرے گا کیا؟

جب عبادت کی توفیق ہو، اطاعت کی توفیق ہو تو یہ مزید اس کا احسان ہے کہ اس نے یہ توفیق بخشی کہ ہم برائی سے بچ کر نیکی کی طرف جا رہے ہیں۔ پھر وہ فرماتا ہے کہ میں اس کی نیکی کے اجر کو بڑھا دیتا ہوں، زیادہ کر دیتا ہوں۔ کوئی بدبخت ہی اللہ اور اللہ کے نبی ﷺ کی محبت کو دنیا کے لیے چھوڑے گا۔ دنیا کیا ہے؟ مال و دولت پانا دنیا نہیں ہے۔ عہدہ اور سلطنت پانا دنیا نہیں ہے۔ بادشاہ اللہ کے نبی بھی ہوئے ہیں۔ بادشاہت انبیاءؑ نے بھی کی ہے۔ بڑے بڑے امیر لوگ، صحابہؓ میں بھی ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے امیر لوگ، ولی اللہ بھی ہوئے ہیں۔ جب بادشاہ نبیؑ ہو سکتے ہیں، بادشاہ ولی بھی ہوئے ہیں تو پھر دنیا کیا ہے؟ دنیا ہے اللہ کے حکم کے خلاف دنیا پانا۔ شریعت کے خلاف دولت کی ہوس میں مبتلا ہو جانا۔

چیست دنیا از خدا غافل بودن

دنیا کیا ہے؟ اللہ کی عظمت سے غافل ہو جانا۔ اپنی پسند سے اپنی مرضی سے بھاگ دوڑ شروع کر دینا، چھینا جھپٹی شروع کر دینا۔ ایک فقیر دنیا دار ہو سکتا ہے اور ایک بادشاہ آخرت کا مالک ہو سکتا ہے۔ دنیا یہ نہیں ہے کہ کسی کے پاس پیسے اگر حلال کے ہیں، درست ہیں، جائز ذرائع سے آئے ہیں تو ان پر زکوٰۃ دے۔ اگر پیسہ رکھنا منع ہوتا تو زکوٰۃ فرض کیوں ہوتی؟ استطاعت ہے تو حج کرے۔ بھئی پیسہ ہے، وسائل ہیں تو حج کرے اللہ کے نام پر خرچ کرے۔ نیکی پر خرچ کرے۔ پیسے رکھنا، اچھا لباس پہننا، یہ دنیا نہیں ہے۔ دنیا یہ ہے کہ اللہ کے حکم کے خلاف جمع کی جائے وہ دنیا بن جاتی ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بودن
نی قماش و نقرہ و فرزند و زن

دولت، روزی، رزق، بیوی، بچے یہ دنیا نہیں ہے۔ دنیا اللہ سے غافل ہونے کا نام ہے۔ انسان کو اللہ نے فیصلے کی اجازت دی کہ فیصلہ اپنا تو خود کرو۔ اللہ کریم صحیح فیصلے کی توفیق دے۔ ہدایت پہ زندہ رکھیں۔ نیک لوگوں کے ساتھ خاتمہ نصیب ہو اور نیک بندوں کے ساتھ حشر نصیب ہو۔

سورۃ الشعراء

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک از
الشیخ حضرت امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کا بیان

تدبیر اور ترک تدبیر میں اعتدال

قولہٗ تعالیٰ: وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ مع قولہ كَلَّا ۚ اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ (سورۃ الشعراء:52-62)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰؑ کو حکم بھیجا کہ میرے بندوں کو شباشب نکال لے جاؤ، مع قول، موسیٰؑ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں کہ میرے ہمراہ میرا پروردگار ہے وہ مجھ کو ابھی رستہ بتلادے گا۔

''اس میں مسئلہ یہ ہے کہ تدبیر و ترک تدبیر میں تعدیل چاہیے۔ چنانچہ تدبیر تو یہ بتائی گئی کہ بنی اسرائیل کو لے کر شباشب چلے جاؤ پھر جب انہوں نے پکڑے جانے کا اندیشہ ظاہر کیا جس سے مقصود تھا کہ کچھ تدبیر کی جاوے تو موسیٰؑ نے ان کو اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ فرما کر یہ بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے ہوتے ہوئے ہماری تدبیر کی ضرورت نہیں اور عارف کی یہی شان ہوتی ہے کہ اسباب سے توسط کے ساتھ تمسک کرتا ہے مگر اس میں مبالغہ نہیں کرتا۔''

فرماتے ہیں دو چیزیں ہیں۔ ایک ہے تدبیر اور ایک ہے اللہ پر بھروسہ کر کے کچھ بھی نہ کرنا۔ فرمایا دونوں میں اعتدال چاہیے۔ موسیٰؑ نے تدبیر کی جہاں تک بس چلتا تھا کہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات جب قبطی اور فرعونی سو رہے ہوں، غافل ہوں تو راتوں رات وہاں سے نکل جایا جائے۔ اللہ کا حکم یہی تھا کہ ان کو لے کر راتوں رات نکل جائیں۔ یہ تدبیر تھی کہ ان کو خبر نہ ہونے پائے اور نکل جائیں لیکن جب کنارِ سمندر جا پہنچے اور پیچھے سے فرعون اور اس کا لشکر آ گیا تو آپؑ کی قوم نے آپؑ سے کہا ہم تو مارے گئے اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ﴿۶۱﴾ پکڑے گئے بھئی اب کیا ہوگا اگر چھلانگ لگاتے ہیں۔ تو سمندر میں ڈوب جاتے ہیں، سمندر میں نہیں گرتے تو فرعونی قتل کر دیں گے تو مارے گئے، پکڑے گئے، کچھ نہ بچا۔ تو موسیٰؑ نے فرمایا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۶۲﴾ میرا پروردگار میرے ساتھ ہے وہ کوئی راستہ بنا دے گا۔ یہاں تدبیر نہیں ہے اللہ پر توکل ہے۔ سو فرمایا بزرگانِ دین کا طریقہ یہی ہوتا ہے کہ تدبیر ضرور کرتے ہیں لیکن بھروسہ اللہ پر ہوتا ہے ہر چیز میں اعتدال ہوتا ہے۔ تدبیر کو چھوڑ دینا بھی درست نہیں اور تدبیر پر بھروسہ کر کے بیٹھ رہنا بھی درست نہیں تو اس میں اعتدال ہونا چاہیے کہ شرعاً جائز، وسائل اختیار کئے جائیں اور ان پر بھروسہ نہ کیا جائے بھروسہ اللہ کریم پر کیا جائے کہ نتائج اللہ کی طرف سے آئیں گے۔

مقبولین کے ہاتھ پر ظہور خوارق کی حکمت:

قولہٗ تعالیٰ: فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ۭ (الشعراء:63)

ترجمہ: پھر ہم نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ اپنے عصا کو دریا پر مارو۔

''روح میں ہے کہ گو حق تعالیٰ بدون اس طریقہ کے بھی فلق بحر پر قادر تھے مگر اس طریق میں موسیٰؑ کی عظمت ظاہر فرمانا تھا اور یہی حکمت ہوتی ہے اولیاء اللہ کے ہاتھ پر خوارق کے ظاہر ہونے کی اسی لئے اس کو کرامت کہتے ہیں۔''

فرمایا اللہ نے حکم دیا موسیٰؑ کو کہ اپنا عصا پانی پر مارو۔ سمندر پھٹ گیا، رستے بن گئے، بڑا گہرا سمندر تھا لہٰذا پانی کے بڑے بڑے پہاڑ بن گئے دوسری جگہ فرماتے ہیں فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾ کٹ کر

پانی کے بڑے بڑے پہاڑ کھڑے ہو گئے۔تو فرماتے ہیں کہ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ اگر موسیٰؑ عصا نہ بھی مارتے تو بھی اللہ قادر تھا سمندر کو پھاڑ دیتا اور راستہ بنا دیتا لیکن فرمایا لوگوں پر موسیٰؑ کی عظمت کا اظہار بھی مقصود تھا۔ایک تو یہ بات حضرت نے نقل فرمائی دوسری بات یہ ہے کہ یہ دنیا عالم اسباب ہے اور ہر چیز کسی سبب کے نتیجے میں نتیجتاً ظاہر ہوتی ہے یہ قانون قدرت ہے تو اللہ کریم نے خود بھی جو کام دنیا میں کیا ہے اگرچہ وہ قادر ہے جب چاہے کر سکتا ہے لیکن ہر کام کے لئے کوئی سبب ضرور بنا دیا ہے کہ قدرت اپنے بنائے ہوئے قوانین کی خلاف ورزی نہیں کرتی تو یہاں سبب بھی درکار تھا تو موسیٰؑ کو حکم دیا کہ آپؑ عصا ماریں، سمندر پھٹ گیا حالانکہ اس کے بغیر بھی ہو سکتا تھا لیکن قانونِ فطرت یہ تھا کہ کوئی سبب ہونا چاہیے اور دوسرا جو حضرت نے لکھا ہے کہ موسیٰؑ کی بزرگی بھی لوگوں پر ثابت کرنا منظور تھی اور فرماتے ہیں اسی طرح جو اولیاء اللہ سے کرامات ظاہر ہوتی ہیں تو ان کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے کہ اس بندے کی بزرگی اور فضیلت لوگوں پر ظاہر ہو تو وہ اس سے جڑ جائیں اس سے تمسک کریں اور ہدایت پا جائیں اور اللہ کی رحمت پا لیں۔جب یہ نبیؑ سے ظاہر ہوتا ہے تو معجزہ کہلاتا ہے جب ایسی کوئی بات ولی سے ظاہر ہوتی ہے تو کرامت کہلاتی ہے کرامت کا ایک معنی بزرگی ہے اور دوسرا معنی عزت و احترام ہے۔اولیاء اللہ کی کرامت سے ان کی بزرگی ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ لوگ ہدایت پائیں۔

دنیوی نعمتوں میں احتیاج کا اعتراف کر کے اظہار عبدیت:

قولہ تعالیٰ: فَهُوَ يَهْدِينِ ۝ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ ۝ (الشعراء:78-79)

ترجمہ: اور پھر وہی مجھ کو رہنمائی کرتا ہے اور وہی مجھ کو کھلاتا پلاتا ہے۔

"اس میں ادب اور عبدیت کا پورا اظہار ہے کہ اس میں ابراہیم علیہ السلام نے یہ بتلا دیا کہ جس طرح دینی نعمت یعنی ہدایت کی مجھ کو احتیاج ہے اسی طرح دنیوی نعمت کھانے پینے کی بھی احتیاج ہے، بخلاف جاہل مدعیان زہد کے کہ وہ دنیوی نعمتوں کی تحقیر کرتے ہیں اور اس سے اپنا استغنا ظاہر کرتے ہیں۔"

فرمایا، جب ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے بات کی آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس کی عبادت کروں گا اور وہی اللہ مجھ کو ہدایت دے گا فَهُوَ يَهْدِينِ وہی میری رہنمائی فرمائے گا وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ وہ ذات جو مجھے کھلاتی پلاتی ہے جو مجھے رزق دنیا بھی دیتی ہے۔تو فرمایا اس میں ادب عبدیت کا پورا پورا اظہار ہے بندہ ہونے کا پورا پورا اظہار ہے۔جس طرح دینی نعمتوں میں، رہنمائی میں، قرب الٰہی میں، مقامات و مراقبات میں، بندہ اس کے کرم کا محتاج ہے اسی طرح دنیوی ضرورتیں ہیں جب تک اس دنیا میں زندہ ہے جسمانی ضرورتوں میں بھی وہ اللہ کا محتاج ہے اور جو دنیوی نعمتیں اللہ کریم دیتے ہیں ان میں بھی اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔فرمایا جو محض نام کے صوفی ہوتے ہیں جن کے پاس حقیقت نہیں ہوتی وہ دنیا کی نعمتوں کی توہین کرتے ہیں، تحقیر کرتے ہیں۔ دنیوی نعمتوں سے ظاہراً استغنا کرتے ہیں کہ مجھے دنیا کی ضرورت نہیں ہے میں دنیا کی پرواہ نہیں کرتا۔ دوسروں پر تو ظاہر کرتے ہیں کہ انہیں دنیا کی پرواہ نہیں لیکن دل سے دنیا کے لئے حریص ہوتے ہیں۔فرمایا یہ جہالت ہے بندہ تو ہر حال میں اللہ کا محتاج ہے۔ بندہ دین میں بھی اللہ کا محتاج ہے اور جتنی وہ ہدایت دے اس پر شکر الحمد للہ۔ دنیا میں بھی اسی کا محتاج ہے اور جتنی دنیوی نعمتیں دے حلال اور جائز طریقے سے حاصل ہوں ان پر بھی اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

کلام میں ادب کی رعایت

قولہ تعالیٰ: وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ ۝ (الشعراء:80)

ترجمہ: اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھ کو شفاء دیتا ہے۔

"مرض کو جو کہ ایک گونہ نقص ہے اپنی طرف نسبت کرنا اور شفاء کو جو کہ فی نفسہٖ کمال ہے حق تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا رعایت ہے ادب کی اور اماتت کی اسناد میں شبہ نہ کیا جاوے کہ وہ بوجہ عموم کے نقص سے نکل گیا۔"

یعنی مرض جو کمزوری ہے اسے اپنی طرف منسوب کیا وَاِذَا مَرِضْتُ جب میں بیمار ہوتا ہوں اور شفاء جو کمال ہے اسے اللہ کی طرف منسوب کیا فَهُوَ يَشْفِيْنِ وہ مجھے شفاء دیتا ہے تو یہ کمال ادب ہے کہ اہل اللہ میں یہ کمالِ ادب پایا جاتا ہے کہ کوئی کمزوری ہو تو اسے اپنی طرف منسوب کرتے ہیں کہ مجھ سے خطا ہوئی اور کوئی کمال ہو تو اسے اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جبکہ دنیادار اس کے الٹ کرتا ہے کوئی کمال ہو تو وہ یہ کہتا ہے میں نے کر لیا اور کوئی قصور ہو تو کہتا ہے اللہ کی مرضی تقدیر ایسی ہوگی۔ یعنی یہ عجیب معاملہ ہے کہ جسے معرفت حق نصیب نہیں ہوتی وہ نقصان ہو جائے، کوئی قصور ہو جائے، کوئی غلطی ہو جائے، کہیں کوئی بندہ گر جائے، کوئی مکان گر جائے تو کہتا ہے بس جی اللہ نے ایسا کر دیا یعنی کوئی خرابی ہوتی ہے تو اسے اللہ کی طرف کرتا ہے۔ اچھا کام ہو جائے کہیں سے آمدن آجائے، کوئی بیمار ٹھیک ہو جائے، کوئی اچھا مکان ملے تو کہتا ہے کہ یہ میرا کمال ہے، یہ میں نے بنایا۔ فرمایا اللہ کے بندے کمال کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اگر کوئی بہتری ہو جائے تو کہتے ہیں اللہ کا احسان ہے اگر کوئی نقصان ہو جائے تو کہتے ہیں یہ میری غلطی ہے مجھ سے قصور ہوا اللہ معاف فرمائے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ جب میں بیمار ہوتا ہوں تو بیماری چونکہ نقص ہے کمزوری ہے اس لئے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا فَهُوَ يَشْفِيْنِ شفاء وہ دیتا ہے۔ شفاء چونکہ کمال ہے تو کمال کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

الادب فی التکلم:

قولہٗ تعالیٰ: وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٨٢﴾ (الشعراء:82)

ترجمہ: اور جس سے مجھ کو یہ امید ہے کہ میری غلط کاری کو قیامت کے روز معاف کر دے گا۔

''اس میں دو ادب ہیں۔ ایک اپنی اجتہادی غلطی کو سمجھنا اور اس کو خطیہ فرمانا دوسری مغفرت کا لفظاً جزم نہ کرنا تا کہ اللہ تعالیٰ پر کسی امر کا واجب نہ ہونا ظاہر ہو۔''

تو فرمایا اس میں دو چیزیں ہیں کہ اولوالعزم رسول ہیں، صاحب کتاب ہیں، خلیل اللہ ہیں پھر بھی فرما رہے ہیں، میں بھی انسان ہوں مجھ سے اجتہادی خطا ہو سکتی ہے اور اجتہاد میں غلطی لگ سکتی ہے اور اجتہاد کے لئے ہے کہ مجتہد صاحب علم ہو، صاحب بصیرت ہو اور اجتہاد کی ضرورت کے مطابق علم رکھتا ہو۔ ہر کسی کا مجتہد ہونا ضروری نہیں ہے اس کی قرآن، قرآنی علوم حدیث وفقہ تینوں علوم پر گہری نظر ہو اور اس میں اجتہاد کرنے کی صلاحیت ہو تو جب وہ خلوص سے اجتہاد کرتا ہے تو اگر اس کا اجتہاد صحیح ہے تو اسے دوگنا اجر ملتا ہے اور اگر اجتہاد میں غلطی کر جائے تو پھر بھی ایک گنا اجر اس کو اللہ عطا فرماتے ہیں لیکن یہ اللہ کے خلیل ہیں، اولوالعزم رسول ہیں تو فرما رہے ہیں کہ اجتہاد میں بھی خطا ہو جائے تو پھر بھی وہ میری خطا ہے، غلطی ہے۔ انتہائی کمالِ ادب ہے کہ جو شرعی قانون کے مطابق خطا نہیں ہے اسے بھی خطا تسلیم کر رہے ہیں اور دوسری یہ فرمایا میں امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے قیامت کے دن معاف فرمائے گا وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ میں توقع رکھتا ہوں، مجھے یہ پوری امید ہے۔ تو فرمایا یہاں مغفرت کا لازمی ہونا قرار نہیں دیا کہ اللہ مجھے ضرور معاف کر دیں گے اللہ پر کوئی شخص کوئی چیز لازم نہیں کر سکتا اس سے امید رکھ سکتا ہے، کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ اللہ کو ضروری کرنا ہے جیسے جاہل کہتے ہیں کہ میں دعا کروں گا تو یہ سے یہ ہو جائے گا۔ اللہ کسی کا پابند نہیں ہے۔ دعا بھی ایک درخواست ہوتی ہے حکم نہیں ہوتی۔

تواضع

قولہٗ تعالیٰ: رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ (الشعراء:83)

ترجمہ: اے میرے پروردگار مجھ کو حکمت عطا فرما اور مجھ کو نیک لوگوں کے ساتھ شامل فرما۔

''پہلا جملہ قوۃ علمیہ کی طرف اور دوسرا جملہ قوۃ عملیہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ دونوں آپ کو حاصل تھے پھر ان کے طلب کرنے میں اشارہ ہے کہ سالک کو کسی حد پر ٹھہرنا نہ چاہیے بلکہ ہمیشہ طلب اور ترقی میں لگا

رہے اور اَلْحِقْنِیْ کے عنوان میں تواضع بھی ہے کہ صالح ہونا تو بڑا درجہ ہے صالحین میں ملحق ہی ہو جاؤں۔"

یہ آپؑ نے دعا کی رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا اے اللہ مجھے حکمت عطا فرما وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرما تو فرماتے ہیں اللہ کے اولوالعزم رسولؑ تھے انہیں حکمت بھی حاصل تھی اور نیک لوگوں میں بھی وہ بڑے مرتبے والے تھے یہ دونوں باتیں انہیں حاصل تھیں اس کے باوجود طلب فرمارہے ہیں تو اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ سالک کو کسی حد پر ٹھہرنا نہیں چاہیے اور محنت اور مجاہدہ اور آگے کی طلب اور قربِ الٰہی کی تمنا کرتے رہنا چاہیے۔

بقاء سلسلہ کی تمنا:

قولہ تعالیٰ: وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ
(الشعراء:84)

ترجمہ: اور میرا ذکر آئندہ آنے والوں میں جاری رکھ۔

"بعض اہل اللہ نے اپنے سلسلہ کی بقاء کی تمنا کی ہے اس میں اس کی اصل ہے۔"

یعنی جس طرح ابراہیمؑ نے فرمایا کہ آنے والے لوگوں میں میرا ذکر جاری رکھ تو اللہ کریم نے درود ابراہیمی حضور علیہ السلام کی امت کو بھی عطا فرما دیا ہم عین حالت صلوٰۃ میں درود ابراہیمی پڑھتے ہیں۔ آپؑ کے لئے دعا، آپؑ کا ذکر خیر، آپؑ کی عظمت اور قیامت تک یہ امت بھی رہے گی نمازیں بھی رہیں گی اور درود ابراہیمی بھی چلتا رہے گا تو بعض مشائخ سلاسل نے اپنے سلسلے کو ہمیشہ رہنے کی تمنا کی ہے تو فرماتے ہیں اس کی اصل اس آیت میں ہے کہ یہ تمنا درست ہے۔

استغنا من الجنة کے مدعی پر رد:

قولہ تعالیٰ: وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ
(الشعراء:85)

ترجمہ: اور مجھ کو جنت النعیم کے مستحقین میں سے کر۔

"اس میں اس شخص پر ردّ ہے جو جنت سے استغناء کا دعویٰ کرتا ہے مگر مغلوب الحال مستثنیٰ ہے۔"

اس میں اس شخص پر رد ہے جو جنت سے استغناء کرتا ہے کہ اللہ کے خلیل تو کہہ رہے ہیں کہ مجھے جنت کا وارث بنا اور بعض جاہل صوفی کہتے ہیں جی ہمیں جنت کی ضرورت نہیں ہے ہم تو بس اللہ کی رضا کے لئے لگے ہوئے ہیں جنت سے استغناء ظاہر کرنا جائز نہیں ہے چونکہ جنت فی نفسہٖ مطلوب نہیں ہے۔ جنت مطلوب اس لئے ہے کہ وہ اللہ پاک کی رضا کی سند ہے، دلیل ہے۔ جسے جنت نصیب ہوگی اسے اللہ کی رضا نصیب ہوگی تو اسے جنت نصیب ہوگی تو صفت بجائے خود غیر اللہ ہے اللہ کے علاوہ ہے لیکن جنت رسید ہے اللہ کی رضامندی کی تو یہ کہہ دینا جہالت ہے کہ ہمیں جنت نہیں چاہیے۔ ہمیں تو اللہ کے پاس جانا ہے اللہ کے پاس جو بھی جائیں گے اللہ انہیں جنت ہی میں مقیم فرمائیں گے اور جنت ان کی رضامندی کی دلیل ہے۔

نسب یا حرفہ کی دنایت کے سبب عار کرنے کی مذمت:

قولہ تعالیٰ: قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ
(الشعراء:111)

ترجمہ: وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا ہم تم کو مانیں گے حالانکہ رذیل لوگ تمہارے ساتھ ہو لئے ہیں۔

"بعض لوگ بعض اہل اللہ سے محض ان کی نسبت یا صناعت کے کم درجہ ہونے کے سبب عار کرتے ہیں اور ان سے استفادہ نہیں کرتے اس میں اس کی مذمت ہے۔"

کفار نے کہا کہ آپ کو ماننے والے تو قوم کے غریب اور مزدوری پیشہ اور کمزور لوگ ہیں تو ہم بڑے چودھری، بڑے خاں، بڑے ملک، بڑے مالدار، بڑے صاحب عظمت اور بڑے عہدے رکھنے والے لوگ ہیں تو ان غریبوں اور کمزور لوگوں کے

ساتھ ہم بیٹھ جائیں اور آپ کو مان لیں ہم آپ کو نہیں مانیں گے۔تو یہ فرماتے ہیں کہ بعض اہل اللہ سے محض ان کی نسبت یا دنایت کا درجہ کم ہونے کے سبب ان سے استفادہ نہیں کرتے بعض لوگ اہل اللہ میں بھی ایسے ہوتے ہیں جن کا پیشہ ہنر مندی یا صناعت کا ہوتا ہے، کوئی کپڑا بننے کا، برتن بنانے کا یا اس طرح کا ایسا پیشہ کرتے ہیں جنہیں لوگ اچھا نہیں سمجھتے۔ اپنی چودھراہٹ کا زعم لئے پھرتے ہوتے ہیں اور ان کے پاس فائدہ حاصل کرنے نہیں جاتے۔فرمایا یہ غلط ہے پیشے سارے اللہ نے بنائے ہیں۔غرض حلال ذریعے سے روزی پیدا کرنا ہے پیشے سے انسان کم نہیں ہو جاتا اور بڑے بڑے اہل اللہ، مزدور پیشہ، ہنر مندی اور صناعت اور کاشتکاری وغیرہ سے وابستہ رہے ہیں اور صاحب حال بھی ہوئے ہیں۔

دین کے ضرر رساں پر بددعا:

قولہ تعالیٰ: فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ (الشعراء:118)

ترجمہ: سو میرے اور ان کے درمیان میں ایک فیصلہ کر دیجئے۔

"اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص دین کو ضرر پہنچاوے اس کے لئے بددعا کرنا کمال صبر و حلم کے منافی نہیں اور ان لوگوں کا اضرار بالدین اس آیت میں ہے إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ (سورہ نوح:27)

فرمایا اللہ کے نبیؑ نے دعا کی کہ اللہ میرے اور کافروں کے درمیان فیصلہ فرمادے تو یہ اس پر دال ہے کہ کسی ایسے بدکار کے لئے بددعا کرنا کہ یہ تباہ ہو جائے، ہلاک ہو جائے جس کے سبب سے دین کو نقصان ہو رہا ہو یہ منع نہیں۔ ذاتی طور پر کسی سے ناراض ہو کر بددعائیں کرنے بیٹھ جانا یہ حوصلہ مندی نہیں ہے۔اللہ کے بندوں کو معاف کرنا چاہیے، مخلوق سے درگزر کرنی چاہیے، لیکن اگر کوئی بے دین ایسی رسومات ایجاد کر رہا ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے کا سبب بن رہی ہیں یا ایسا کفر کر رہا ہے جس میں دوسرے بھی مبتلا ہو رہے ہیں تو اس کا مقابلہ اگر بظاہر نہ ہو سکے تو اس کے لئے بددعا کی جائے کہ اللہ ہم سے تو یہ ٹکرا رہا ہے اس کو تو سنبھال اور اس کو تباہ کر اور اس سے دوسرے لوگ گمراہی سے بچ جائیں فرمایا اس کی دلیل اس آیت میں بھی ہے کہ جو نوح علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ إِنَّكَ إِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوا عِبَادَكَ اے اللہ تو نے انہیں اگر چھوڑ دیا یہ تیرے بندوں کو گمراہ کر دیں گے۔دوسرے لوگوں کو بھی بے دین کر دیں گے کہ جس شخص سے دین کو نقصان پہنچ رہا ہے اس کے لئے بددعا کرنا درست ہے۔

عبث کی مذمت

قولہ تعالیٰ: أَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ آيَةً تَعْبَثُوْنَ

(سورۃ الشعرا:128)

ترجمہ: کیا تم ہر اونچے مقام پر یادگار بناتے ہو جس کو محض فضول بناتے ہو۔

"اس میں عبث کی مذمت صریح ہے خواہ قول ہو یا فعل۔"

یہ ایک قوم تھی وہ سورج کی پوجا کیا کرتے تھے اور ہر اونچے مقام پر ایک مینار بنا دیتے اور اس پر سورج کے نقش بنا دیتے بڑے بڑے مینار پتھروں کے بنائے ان کو بھی ارم کہا گیا ہے۔ایک ارم ہے۔ عاد ارم کا مطلب ہے وہ جو باغات میں سیلاب آیا تھا اور طوفان آیا تھا اور بند ٹوٹے تھے اور قوم غرق ہوئی تھی اس قوم کو بھی عاد ارم کہتے ہیں سیلاب والی عاد اور ایک یہ قوم تھی ان کو بھی ارم کہا گیا ہے یہ لوگ جہاں کوئی اونچا ٹیلہ دیکھتے تو اس پر پتھروں کا بڑا سا اونچا مینار بنا دیتے اور اس پر سورج کی شکلیں بنا کر رکھ دیتے۔ اللہ پاک نے فرمایا کہ تم ہر اونچی جگہ میں کوئی یادگار بنا دیتے ہو جو محض فضول ہے جس کا نہ تو کوئی دنیوی فائدہ ہے۔اور دین میں تو وہ خود نقصان دہ ہے کہ وہ گمراہ کرتی ہے۔تو فرماتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے کہ جو کام فضول ہو اس کا کوئی فائدہ دینی نہ ہو جو اللہ اور اللہ کے رسول کی رضا کے لئے نہ ہو عبث ہو خواہ وہ قول ہو یا فعل ہو، بات ہو یا کام ہو سو دونوں کی مذمت فرمائی گئی ہے کہ کوئی فضول کام نہیں کرنا چاہیے جس سے اللہ کی مخلوق کو فائدہ نہ ہو اور دین کا فائدہ نہ ہو اور کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جس کا کوئی نتیجہ نہ ہو، جس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو۔

اکرم التفاسیر

سورۃ الصّٰفّٰت آیات 22 تا 74

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم کرنے والے ہیں۔

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٢٢﴾

جو لوگ ظلم کرتے تھے ان کو جمع کرلو اور ان کے ہم مشربوں کو اور جن کو وہ پوجا کرتے تھے۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿٢٣﴾ وَقِفُوْهُمْ

اللہ کے سوا۔ پھر ان کو جہنم کے رستے پہ چلا دو۔ اور ان کو (ذرا)

اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿٢٤﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿٢٥﴾ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ

ٹھہراؤ ان سے کچھ پوچھا جائے گا۔ کیا ہوا تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔ بلکہ وہ سب کے سب

مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿٢٦﴾ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٧﴾

اس روز سرافگندہ (کھڑے) ہوں گے۔ اور ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر پوچھیں گے۔

قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿٢٨﴾ قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا

وہ بولیں گے یقیناً تم ہی ہمارے پاس داہنی طرف سے آیا کرتے تھے۔ وہ کہیں گے بلکہ تم خود ہی

مُؤْمِنِيْنَ ﴿٢٩﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿٣٠﴾

ایمان نہیں لائے تھے۔ اور ہمارا تم پر کوئی زور تو تھا نہیں بلکہ تم خود ہی سرکش لوگ تھے۔

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۖ اِنَّا لَذَآئِقُوْنَ ﴿٣١﴾

سو ہم سب پر ہمارے پروردگار کی بات ثابت ہو چکی بے شک اب ہم (عذاب کا مزہ) چکھیں گے۔

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿٣٢﴾ فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي

پس ہم نے تمہیں گمراہ کیا کہ ہم خود بھی گمراہ تھے۔ تو وہ سب کے سب اس روز عذاب میں

الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٤﴾

شریک ہوں گے۔ بے شک ہم گناہگاروں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں۔

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٣٥﴾

یقیناً وہ لوگ ایسے تھے کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو تکبر کیا کرتے تھے۔

وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿٣٦﴾

اور وہ کہا کرتے تھے کہ کیا ہم ایک شاعر دیوانہ کے لیے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟

بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٧﴾

بلکہ (وہ تو) ایک سچا دین لے کر آئے ہیں اور (دوسرے) پیغمبروں کی تصدیق فرماتے ہیں۔

اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿٣٨﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا

بلاشبہ تم سب کو دردناک عذاب چکھنا پڑے گا۔ اور تم کو ویسا ہی بدلہ ملے گا جیسے

كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٩﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

تم کام کیا کرتے تھے۔ ہاں مگر جو اللہ کے خاص کیے ہوئے بندے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن

رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿٤١﴾ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٤٢﴾ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٤٣﴾

جن کے لیے رزق مقرر ہے (یعنی) پھل، اور ان کا اعزاز کیا جائے گا۔ نعمت کے باغوں میں۔

عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٤٤﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿٤٥﴾

تختوں پر آمنے سامنے (بیٹھے) ہوں گے۔ ان میں لطیف مشروب کا دور چل رہا ہوگا۔

بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٤٦﴾ لَا فِيْهَا غَوْلٌ

(جو) سفید رنگ کا (اور) پینے والوں کے لیے بہت مزیدار ہوگا۔ نہ اس میں سر بھاری ہوگا

وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ

اور نہ اس سے ان کی عقل میں فتور آئے گا۔ اور ان کے پاس حوریں ہوں گی جو نگاہیں

الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿٤٨﴾ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٤٩﴾ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ

نیچی رکھتی ہوں گی (اور) آنکھیں بڑی بڑی۔ گویا وہ محفوظ انڈے ہیں۔ پھر ایک دوسرے کی طرف

عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٥٠﴾ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿٥١﴾

متوجہ ہو کر پوچھیں گے۔ ان میں سے ایک کہے گا (دنیا میں) میرا ایک ملاقاتی تھا۔

يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿٥٢﴾ ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا

کہا کرتا تھا بھلا تم بھی ایسی باتوں کو ماننے والے ہو۔ کیا جب ہم مرجائیں گے
وَعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ﴿۵۳﴾ قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ﴿۵۴﴾
اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا ہم کو بدلہ ملے گا؟ ارشاد ہوگا کیا تم جھانک کر (اس کو) دیکھنا چاہتے ہو۔
فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِيْ سَوَاۗءِ الْجَحِيْمِ﴿۵۵﴾ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِيْنِ﴿۵۶﴾
سو وہ جھانکے گا تو اس کو جہنم کے درمیان دیکھے گا۔ کہے گا اللہ کی قسم تُو تو مجھے تباہ ہی کرنے والا تھا۔
وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ﴿۵۷﴾ اَفَمَا نَحْنُ
اور اگر (مجھ پر) میرے پروردگار کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی ماخوذ لوگوں میں ہوتا۔ سو کیا یہ نہیں کہ
بِمَيِّتِيْنَ﴿۵۸﴾ اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ﴿۵۹﴾
ہم آئندہ کبھی مرنے کے نہیں۔ ہاں جو پہلی بار مرنا تھا (سو مر چکے) اور ہمیں عذاب بھی نہ ہوگا۔
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴿۶۰﴾ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ﴿۶۱﴾
بیشک یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ ایسی ہی (کامیابی) کے لیے تو عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔
اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ﴿۶۲﴾ اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً
بھلا یہ دعوت بہتر ہے یا تھوہر کا درخت۔ بیشک ہم نے اس درخت کو ظالموں کے لیے
لِّلظّٰلِمِيْنَ﴿۶۳﴾ اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ﴿۶۴﴾
عذاب کا سبب بنایا۔ یقیناً وہ ایک درخت ہے کہ قعرِ دوزخ سے نکلتا ہے۔
طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ﴿۶۵﴾ فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ
اس کے پھل ایسے ہیں جیسے کہ وہ شیطانوں کے سر۔ سو یہ لوگ اس میں سے کھائیں گے پھر
مِنْهَا الْبُطُوْنَ﴿۶۶﴾ ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ﴿۶۷﴾
اُسی سے پیٹ بھریں گے۔ پھر یقیناً اس کے ساتھ ان کو گرم پانی (پیپ) ملا کر دیا جائے گا۔
ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ﴿۶۸﴾ اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَاۗءَهُمْ
پھر یقیناً ان کو دوزخ ہی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہی کی
ضَاۗلِّيْنَ﴿۶۹﴾ فَهُمْ عَلٰٓي اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ﴿۷۰﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ
حالت میں پایا تھا۔ پھر یہ ان ہی کے نقشِ قدم پر بڑی تیزی سے چلتے رہے۔ اور یقیناً ان سے پہلے
قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ﴿۷۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ﴿۷۲﴾
بھی اگلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور بیشک ہم نے ان میں ڈرانے والے (پیغمبر) بھیجے۔
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ﴿۷۳﴾ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ﴿۷۴﴾
تو دیکھ لیجئے جن کو ڈرایا گیا تھا ان کا کیا انجام ہوا۔ سوائے اللہ کے خاص بندوں کے۔
(سورۃ الصّٰفّٰت: 22 تا 74)

میدانِ حشر کا تذکرہ چل رہا تھا اُسی ضمن میں اس کے مختلف پہلو ارشاد ہوتے ہیں، اس کا ایک رخ جس سے پردہ ہٹایا جا رہا ہے وہ یہ ہے کہ فرمایا: اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ﴿۲۲﴾۔۔۔ تین طبقے یکجا جمع کیے جائیں گے، وہ لوگ جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا یعنی اپنے ساتھ زیادتی کی، کفر کیا، شرک اختیار کیا، غیر اللہ سے امیدیں وابستہ کیں، اللہ پر ایمان نہ لائے، اللہ کے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان نہ لائے، انؑ کی اطاعت نہ کی، کفر و شرک میں عمر بسر کر دی۔ اللہ نے انہیں ظالم فرمایا ہے۔ ظالموں کو جمع کیا جائے گا، ان لوگوں کو جمع کیا جائے گا جو ظلم کرتے تھے اور ظلم اپنے آپ پر کرتے تھے۔ دوسرے سے زیادتی کرنا، دوسرے کسی پر ناجائز زیادتی کرنا بھی ظلم کہلاتا ہے لیکن اپنے آپ پر زیادتی کرنا یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ فرمایا: ایسے لوگ جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا وَاَزْوَاجَهُمْ ۔۔۔ اور اُن کے ہم خیال، ہم مشرب، ان کے ساتھ میل جول رکھنے والے، ان کے ساتھ بیٹھنے اُٹھنے والے، ان جیسا سوچنے والے، ان کے کردار میں ان کے عقائد و نظریات میں ان کے ساتھ شامل ہونے والے آدمی کی فطرت ہے کہ وہیں اس کی دوستی ہوتی ہے، وہیں وہ اٹھتا بیٹھتا ہے جہاں اس کی پسند کی چیزیں ہوتی ہیں۔ جہاں اس کی منشاء کے خلاف ہوتا ہے وہاں وہ نہیں جاتا، وہاں جانا پسند نہیں کرتا، وہاں اٹھتا بیٹھتا نہیں ہے۔ وہاں ان کے ساتھ اس کا دوستی تعلق نہیں نبھتا۔ جہاں کی باتیں پسند ہوں تو اس کا مطلب ہے وہ بھی کفر، شرک اور برائی کو پسند کرتے تھے، اسی میں ملوث تھے، اسی لیے اُن کی ان کے ساتھ دوستی ہوئی۔ وَاَزْوَاجَهُمْ ۔۔ ان کا جوڑا، ان کے ساتھ کے لوگ، جیسے وہ تھے ویسے ہی جو ان کا ساتھ دیتے تھے۔ جن کو وہ پوجتے تھے وہ بھی، اللہ کے علاوہ جن کی وہ پوجا کرتے تھے وہ بھی، یعنی جو بت انہوں نے بنا رکھے تھے یا جن کی پوجا کرتے تھے۔

اُس میں بعض وہ لوگ وہ بھی آجاتے ہیں جو فرشتوں کی پوجا کرتے تھے یا سورج کی پوجا کرتے ہیں یا چاند کو پوجتے ہیں جن انبیاء علیہم السلام کی عبادت بنالی گئی جیسے، حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا بنالیا، ان کی پرستش شروع کر دی۔ جن نیک لوگوں کی پوجا یہ کرتے ہیں وہ فیصلہ پہلے ہوجائے گا، ان سے پوچھا جائے گا، قرآنِ کریم میں موجود ہے کہ ہم عیسیٰؑ

سے یہ سوال کریں گے کہ: ءَاَنۡتَ قُلۡتَ لِلنَّاسِ (المائدہ:116) آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ آپؑ کی اور آپؑ کی والدہ کی پوجا کریں، تو عرض کریں گے بارِ الٰہا! میں نے جو کچھ کہا تُو روبرو موجود تھا، تیرے سامنے کہا، مجھے کب زیب دیتا ہے کہ میں نبیؑ ہو کر وہ کہوں جو آپ نے مجھے نہیں کہا۔ مجھے جو آپ کی طرف سے حکم ہوا میں نے وہ کہا، میرے بعد آپ ان پر شاہد عدل تھے، آپ جانتے ہیں انہوں نے کیا کیا۔ وہ آپ کو پتا ہے تو اس طرح جن نیک لوگوں کی یہ اپنی طرف سے یہ پوجا ایجاد کر لیتے ہیں، وہ فیصلہ تو پہلے ہو جائے گا۔ باقی رہ گئے بت اور خواہشات کے بت، آرزوؤں کے بت، پتھروں کے بت، ان سب کو بھی ان کے ساتھ جمع کر دیا جائے گا کہ اگر یہ عبادت کے لائق ہیں اور تم ان کی عبادت کرتے رہے تو آج انہیں چاہیے تمہیں اس کا بدلہ دیں، مصیبت سے بچائیں۔ تمہاری مدد کریں، تمہارے کام آئیں پھر کس بات کی عبادت کرتے رہے۔

حضرتؒ کے ساتھ کچھ ساتھی ہوتے تھے۔ ابھی جماعت بنی بھی نہیں تھی، بنانے کا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا، حضرت جیؒ کا، پروگرام ہی نہیں تھا۔ چار پانچ ساتھی ہوتے تھے جو اللہ اللہ کرتے تھے ان میں وہ چار پانچ جو تھے، وہ وہیں کے مقامی تھے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جلسوں میں گارڈ بھی ہوا کرتے تھے۔ آپؒ کے خادم بھی ہوا کرتے تھے، تگڑے لوگ تھے، جوان آدمی تھے۔ کوئی ایک دو باہر کے شاگرد تھے جو باہر سے آجاتے تھے، ان میں ایک ساتھی ہوتے تھے وہ اچھے زمیندار تھے، نمبردار تھے، فنا بقا تک ان کے مراقبات تھے اور انہیں مشاہدات بھی ہوتے تھے۔ ایک دفعہ انہیں ہائی کورٹ میں کسی کام سے لاہور جانا پڑا۔ لاہور سے ہو کر آئے تو میں، حضرت جیؒ کی محفل میں ہی تھا، عصر کے بعد مجلس ہوتی تھی، حضرت جیؒ تشریف لے آتے تھے، بان کی چارپائی ہوتی تھی، حضرت جیؒ اس پر نیم دراز ہو جاتے تھے، سامنے بڑی سی خشک لکڑ پڑی ہوتی تھی، ہم اس پر بیٹھ جاتے تھے۔ اس نے عرض کی کہ حضرت! میں لاہور گیا تو میں داتا صاحب کے مزار پر گیا۔ جب میں کام سے فارغ ہوا تو میں نے کہا کہ میں مزار پر فاتحہ پیش کرتا جاؤں تو میں نے دیکھا کہ لوگ، کوئی سجدہ کر رہا ہے، کوئی دیوار سے ماتھا رگڑ رہا ہے، کوئی کچھ کر رہا ہے، کوئی کچھ کر رہا ہے۔ میں داتا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے سلام پیش کیا۔ انہوں نے مجھ پر بڑی شفقت فرمائی۔ میں نے اُن سے عرض کی کہ حضرتؒ یہ آپ کے مزار پر کیا ہو رہا ہے؟ لوگ تو سجدے کر رہے ہیں، یہ تو شرک کر رہے ہیں۔ تو انہوں نے مجھے فرمایا کہ یہ تمہارا کام ہے ہم اس کام سے فارغ ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آئی؟ حضرت جیؒ مسکرائے، فرمایا: ہاں، انہوں نے صحیح فرمایا۔ جب تک وہ دنیا میں تھے وہ دینِ حق کی تبلیغ کرتے رہے، اب وہ دنیا سے چلے گئے ہیں، اب وہ مکلف نہیں ہیں، اب ہم مکلف ہیں جو دنیا میں موجود ہیں۔ انہوں نے ٹھیک کہا کہ اب ان کو روکنا تمہاری ذمہ داری ہے، میری نہیں ہے۔ اللہ کے جو نیک بندے ہیں ان کا معاملہ تو یہ ہے کہ ان کی کوئی پوجا کرتا ہے تو وہ اس کی تبلیغ نہیں کرتے، اسے وہ نہیں کہتے کہ میری پوجا کرو، اس کا اپنا فعل ہے۔ جو بت وغیرہ ہیں، اُن کو اُن کے ساتھ کھڑا کیا جائے گا کہ اگر یہ تمہاری ضرورتیں پوری کر سکتے ہیں اور یہ تمہارے مشکل کشا ہیں اور یہ تمہارے کام آنے والے ہیں تو آج انہیں تمہارے کام آنا چاہیے جبکہ موقع آیا ہے۔ اُحۡشُرُوا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ۔۔۔ ظلم کرنے والوں کو، کفر و شرک میں زندگی بسر کرنے والوں کو، اللہ کے احکام کا انکار کرنے والوں کو اور ان کے ہم مشربوں کو۔ اگر یہاں وَاَزۡوَاجَهُمۡ ۔۔۔ کا ترجمہ ہم مشرب کیا جائے تو سب سے مناسب رہے گا۔ وہ لوگ جوان کے رفیق کار ہوتے ہیں۔ سبحان اللہ! اس ترجمے میں ہم مشرب لکھا ہوا ہے۔ ان کے ہم مشربوں کو اور ان بتوں کو جن کو وہ پوجا کرتے تھے، ان کو بھی وہاں جمع کر لیا جائے گا۔

اب تین طبقے ہو گئے، اللہ کے علاوہ وہ جن کی پوجا کرتے تھے جن سے اُمیدیں وابستہ رکھتے تھے۔ یہ بڑا نازک سا معاملہ ہے کہ دنیا عالمِ اسباب ہے اور بندہ اسباب اختیار کرنے کا مکلف ہے اور اسباب ترک کرنا جرم ہے اور اسباب میں اسباب کو سبب ہی سمجھا جائے، نتائج اللہ سے رکھے جائیں۔ ہم بیمار ہیں، دوائی کھا رہے ہیں، دوائی کھانا سنت ہے اور دوائی سبب ہے شفا کا لیکن شفاء دوائی میں نہیں ہے۔ شفا اس کے دستِ قدرت میں ہے، وہ چاہے تو اس سے شفاء دے، نہ چاہے تو نہ دے۔ ہم اگر دوا ترک کریں گے تو گناہ گار ہوں گے۔ سبب ترک کرنا

گناہ ہے لیکن اگر ہم دوا کی جگہ شراب پینا شروع کر دیں تو وہ دوا نہیں ہوگی، وہ جرم ہو جائے گا۔ اس میں شفا ہوتی تو اللہ حرام ہی نہ فرماتے۔ ہم دوا کی جگہ حرام کھانا شروع کر دیں کہ یہ میری دوا ہے تو یہ جائز نہیں ہوگا۔ سبب اختیار کرنا، اُمید مسبب الاسباب سے رکھنا یہ طریقہ ہے اور سبب بھی اس لیے اختیار کرنا ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ ہم روزی کے لیے محنت کرتے ہیں، ہمیں کرنی چاہیے پوری دیانت سے، پوری امانت سے۔ ہم جس کام کی اجرت لیتے ہیں پوری دیانتداری سے کریں لیکن رزق اللہ نے دینا ہے جو نہیں کرتے اللہ انہیں بھی دے رہا ہے۔ جو کچھ نہیں کرتے وہ بھی کھا رہے ہیں۔ رازق اللہ ہے تو یہ معاملہ تھوڑا سا فرق ہوتا ہے، ایک ہلکی سی لائن ہے اِدھر اللہ کا دین ہے، اُدھر نکل جاؤ تو کفر ہے۔ فرمایا جو لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے وہ بھی اور ان کے ہم مشرب بھی اور جن کی وہ پوجا کرتے تھے وہ بھی فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ۝ --- چونکہ سارے ایک ہی طبقے کے، ایک ہی خیال کے، ایک کردار کے لوگ تھے تو فرمایا: سب کو ان معبودوں سمیت، سب کو جہنم میں لے جاؤ وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْـُٔوْلُوْنَ ۝ --- جب فرشتے ہانکنے لگیں گے تو ارشادِ باری ہوگا ٹھہر جاؤ! ان سے بات تو کرو، ان سے پوچھیں تو سہی۔ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝ --- ارشاد ہوگا: لوگو! تمہیں کیا ہوگیا؟ ایک دوسرے کی مدد کیوں نہیں کرتے ہو۔ جن کی پوجا کرتے تھے وہ بھی دھکے کھا رہے ہیں، جو پوجتے تھے وہ بھی دھکے کھا رہے ہیں۔ دنیا میں تمہیں بڑے دوستی کے دعوے تھے، تم اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بات سننا گوارا نہیں کرتے تھے اور اپنے دوستوں کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ یہ تمہیں اللہ اور اللہ کے رسول اللہ ﷺ سے بھی عزیز تھے تو آج ان کی کوئی مدد کرو، ایک دوسرے کے کام آؤ، مل جُل کر اس مصیبت سے نکلنے کی کاوش کرو۔ مَا لَكُمْ --- کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ لَا تَنَاصَرُوْنَ ۝ --- ایک دوسرے کی مدد بھی نہیں کرتے ہو۔ آج کام آؤ بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ۝ --- اللہ فرماتے ہیں اُن کے پاس جواب تو کوئی نہیں ہوگا، آج بڑے سرافگندہ کھڑے ہوں گے جیسے اُن جیسا کوئی فرمانبردار ہے ہی نہیں۔ آج بڑے سر نیچے ڈال کے کھڑے ہوں گے۔ اب اس کا کیا فائدہ جب وقت گزر گیا۔ جب عمل کا وقت تھا تم اس وقت اکڑتے رہے، اب جزا کا دور شروع ہوگیا، دارالعمل ختم ہوگیا اب تم نے مانا تو کیا مانا؟ فرمایا: آج تو مان کر کھڑے ہوں گے۔ مُسْتَسْلِمُوْنَ ۝ --- آج تو تسلیم کر کے، بڑے مسلمان ہو کے کھڑے ہوں گے کہ ہم ہر چیز مانتے ہیں، اب ماننے کا کیا فائدہ؟ پھر ایک دوسرے سے بات کریں گے۔ وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝ --- یہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوں گے اور پوچھیں گے، وہ جو راہنما بنتے تھے اور رلیڈر بنتے تھے اور بڑی بڑی تقریریں کرتے تھے اور بڑے بڑے دعوے کرتے تھے اور ترغیب دیتے تھے کہ یہ بات نہ مانو، یہ پاگل پن ہے۔ اللہ کے نبی علیہ السلام جب فرماتے تھے کہ حق غالب ہوگا تو لوگ دیکھتے تھے کہ ہر طرف حکومت تو کفر کی ہے، مشرکوں کی ہے، سودخوروں کی ہے، دولت مندوں کی ہے، ظالموں کی ہے اور یہ ایک بندہ ہے جس کے ساتھ دو چار بندے ہیں وہ بھی غریب غرباء ہیں، یہ کہتے ہیں انقلاب آجائے گا اور یہ حالات بدل جائیں گے اور دین کا غلبہ ہوگا تو کیسے ہوگا؟ تو وہ کہتے تھے یہ پاگلوں والی بات ہے، یہ ناممکنات میں سے ہے۔ یہ بندہ پاگل ہے یا پھر یہ کہتے ہیں کہ یہ سارے نابود ہو جائیں گے اور دین غالب آئے گا، حق غالب آجائے گا۔

جب حضور ﷺ کی بعثت کا زمانہ تھا تو اس زمانے میں بھی آپ غور کریں کہ "قیصر" اور "کسریٰ" جیسی سپر پاور تھیں۔ "کسریٰ"، ایران کی حکومت، نوح علیہ السلام کے بعد جب زمین پر آبادی ہوئی تو جو پہلی حکومت اس عہد میں بنی، کسریٰ کی وہ اس خاندان سے آ رہی تھی اور جب سے انہوں نے آتش پرستی شروع کی تھی اُسے بھی ہزاروں سال ہو گئے تھے۔ آتش کدۂ ایران میں ایک مخلوق ہے، ایک کیڑا ہوتا ہے جسے سمندر کہتے ہیں۔ "م" پر پیش ہو تو یہ پانی والا "سُمندر" ہے، اگر "م" پر زبر پڑھی جائے تو ایک کیڑا ہوتا ہے "سَمندر"۔ جہاں ہزار سال مسلسل آگ جلتی رہے وہاں وہ پیدا ہوتا ہے اس آگ میں۔ دنیا میں اس کا وجود صرف ایران کے آتش کدے میں پایا گیا جو ہزاروں سالوں جلتی

رہی۔ ہزاروں سال پرانی حکومت تھی، بہت وسیع ملک تھا، بڑا عظیم لشکر تھا اور دنیا کے مانے ہونے جرنیل تھے۔ اسی طرح "قیصر" کی بہت بڑی حکومت، بہت بڑا لشکر، ایک ایک گورنر کے ماتحت ڈیڑھ ڈیڑھ لاکھ سپاہی ہوتا تھا۔ یہ تو دنیا کی دو سپر پاور تھیں اس عہد میں۔ ہر جگہ، ہر ملک کی، ہر علاقے کی حکومت، چھوٹے چھوٹے حکمران، بادشاہتیں، دنیا پر کفر چھایا ہوا تھا تو جب حضورِ اکرم ﷺ فرماتے کہ دین غالب آئے گا تو وہ لوگ کہتے تھے کہ یہ تو دیوانے کی بڑ ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ صدیوں کی حکومتیں، اتنی بڑی حکومتیں، اتنے بڑے خزانے، اتنے بڑے لشکر، اتنے بڑے وسائل، یہ ایک بندہ اور ساتھ دو چار مفلس بندے اور کہتے ہیں بدل جائیں گے۔ وہ کہتے دیوانے ہیں۔ پھر کہتے شاعرانہ تعلّی ہے، شاعر تو ایسی باتیں کرتے ہیں جو ناممکنات میں سے ہوتی ہیں۔

وہ رنگِ حنا سے ان کی کلائی اتر گئی

مہندی کا رنگ لگا ہے تو ان کی کلائی اتر گئی، کمال ہے یار؟

رگِ گل سے بلبل کے پر باندھتے ہیں

کیا کمال ہے؟ تو شاعر تو ایسی بڑھ ہانکتے رہتے ہیں، یہ شاعرانہ بات ہے۔ تو پھر جو بڑھ بڑھ کر اس موضوع پر تقریریں کرتے، دوسروں کو بھی اس پر مطمئن اور قائل کرتے اور دوسروں کو اپنا ہم خیال بناتے ان سے وہ کہیں گے اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَأْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ۝ ---تم تو ہمیں گھیرا کرتے تھے، بڑے بڑے جلسے کرتے تھے، بڑے مجمعے لگاتے تھے اور بڑی دھواں دار تقریریں کیا کرتے تھے کہ یہ پاگل لوگ ہیں، ایسا نہیں ہو سکتا ہمارا ساتھ دو تو آج کیا تمہیں سانپ سونگھ گیا؟ آج بتاؤ کیا ہو رہا ہے۔ آج کوئی مشورہ ہی دو، کیا کریں؟ کوئی ہماری طرف سے بارگاہِ الوہیت میں عرض کرو۔

قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۝ ---وہ لیڈر اس وقت کہیں گے تم خود ہی بے ایمان تھے، ہماری بھی غلطی سہی لیکن بنیادی طور پر تمہارے اپنے اندر ایمان نہیں تھا۔ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۝--- تمہیں ہمارے کافرانہ طریقے پسند تھے، تمہیں کافرانہ مشورے اچھے لگتے تھے، اس لیے تم ہمارے پیچھے چلے کہ تمہیں ہماری باتیں پسند تھیں، تمہارے اندر بھی کفر دھنسا ہوا تھا۔

علمائے حق اس آیت کے تحت فرماتے ہیں کہ ہم جس کو شیخ یا مرشد یا پیر بناتے ہیں ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے، پہلے یہ جانچنا چاہیے کہ اس کا اپنا عقیدہ صحیح ہو۔ ہم کسی بدعقیدہ کو مرشد بنالیں گے تو اس کے پیچھے ہمارا بھی عقیدہ تباہ ہو جائے گا۔ ہمیں کسی بدعقیدہ کو اپنا سیاسی لیڈر بھی نہیں بنانا چاہیے، سیاسی لیڈرشپ بھی وہ ہونی چاہیے جس کا کم از کم عقیدہ تو درست ہو۔ جس کا عقیدہ ہی درست نہیں ہوگا وہ جو پیچھے چلنے والے ہیں ان کو مزید گمراہی میں لے جائے گا۔ ہمارے ہاں تو شائد، میرا خیال ہے کہ دونوں طبقوں میں کوئی نہیں دیکھا جاتا۔ پیر کا بھی ٹوٹل پورا کیا جاتا ہے جہاں کوئی بن کر بیٹھ جائے، چادر اوڑھ کر اسے پیر بنا دیا جاتا ہے۔ جو سٹیج پر کھڑا ہو کر دھواں دار تقریر کرے، پیسے اس کے پاس ہوں، بندے اکٹھے کر لے، کھانا دے دے، سٹیج لگوا دے وہ لیڈر ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ دونوں چیزیں دیکھنی چاہئیں، کل بارگاہِ الوہیت میں جوابدہی ہوگی اور یہی لوگ کہیں گے، اللہ جو عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۝ (سورۃ آل عمران: 119) ہے وہ بتا رہا ہے کہ یہ کہیں گے کہ تمہارے اپنے اندر بے ایمانی تھی۔ چلو! ہم نے تقریریں جھاڑیں، ہم نے بھی تمہیں دھوکہ دیا، ٹھیک ہے! لیکن تمہارے اپنے اندر ایمان ہوتا تو تم ہمارے دھوکے میں کیوں آتے۔ تمہیں بھی یہی باتیں پسند تھیں، اندر سے تم بھی کھوٹے تھے، اگر تم کھرے ہوتے تو ہماری بات کیوں سنتے۔ بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ۝---تمہارے اندر بھی ایمان نہیں تھا، تم خود بے ایمان تھے۔ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ---یہ جو جعلی پیر، جن کا یہ روزگار ہے، بدعقیدہ لوگ، وہ پیر کا روپ دھار لیں، سیاسی لیڈر کا روپ دھار لیں یا ڈاکو بن جائیں یا چور بن جائیں ایک ہی بات ہے۔ ڈاکو اور چور دنیا کا مال لوٹتا ہے یہ لیڈر اور پیر ایمان بھی ساتھ لے جاتے ہیں تو وہ کہیں گے ہمارے پاس کوئی ایسی طاقت تو نہیں تھی کہ تم مجبور تھے۔ کوئی ہمارے پاس فوج یا اقتدار تھا کہ ہم نے تمہیں پکڑ کر اس طرف چلا دیا۔ جن کے پاس اقتدار ہے حساب ان کا بھی ہوگا، ان کی بحث میرا خیال ہے گزر بھی چکی، آگے پھر آ جائے گی، پوچھا ان سے بھی جائے گا۔ وہ جن

کو ہم ووٹ دے کر اقتدار میں لاتے ہیں پوچھا ہم سے بھی جائے گا کہ تم نے اس کی دیانت دیکھ کر ووٹ دیا تھا، اس کی قابلیت اور امانت دیکھ کر ووٹ دیا تھا؟ یہ تو ایک لمبی کہانی بن جائے گی۔ یہاں جو موضوع چل رہا ہے کہ وہ لوگ جواب دیں گے کہ تم لوگ خود بے ایمان تھے کہ اگر تم میں ایمان ہوتا تو ہماری بات سنتے ہی کیوں؟ بندہ بات بھی سنتا ہے جس طرف اس کا مزاج ہوتا ہے۔ اب ہماری سیاست میں ایک نیا رواج آیا ہے، یہ پہلے نہیں تھا کہ تقریر میں گانا بجانا لگا دو۔ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو ناچنا اچھلنا، کودنا شروع کرا دو لیکن لوگ اچھلنا، کودنا ناچنا چاہتے ہیں تو اگلے نچواتے ہیں۔ اب جن خواتین کو، جن بچیوں کو اللہ نے حیا دی ہے جو ناچنا نہیں چاہتیں انہیں گھر سے پکڑ کر تو کوئی لے نہیں جاتا۔ یہ بیماری بنیادی طور پر اپنے اندر بھی ہوتی ہے۔ یہ لیڈر حضرات میدانِ حشر میں تو کہیں گے کہ تم خود بے ایمان تھے، اندر بیماری تھی ہم تو چلو اس کا سبب بن گئے، گناہ ہمارا بھی ہے لیکن تم خود بھی بے ایمان تھے۔ اس لیے کہ ہمارے پاس کوئی قوت تو نہیں تھی کہ ہم تم کو پکڑ لے آتے۔ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ۝ ---بنیادی طور پر تم اللہ کے سرکش لوگ تھے، بگڑے ہوئے تھے، بدمعاش تھے، بے دین تھے، ہمارے پاس جمع ہو گئے۔ کہیں گے، ہم کوئی اب تم سے الگ تو نہیں ہیں فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ---بے وقوفو! ہم بھی تمہارے ساتھ جہنم ہی جا رہے ہیں، ہم کوئی جنت نہیں جا رہے۔ اللہ کا قول ہم پر صادق آیا، اللہ نے ہمیں دنیا میں بتایا تھا کہ یہ کرو گے تو جہنم جانا پڑے گا فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ---آج ہمارے پروردگار کی بات ہم پر سچی ہو گئی، موقع بن گیا، بات سامنے آگئی۔ اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ۝ --- اب آپس میں لڑنا چھوڑو، یہ عذاب ہمیں بھگتنا ہی پڑے گا، تم بھی بھگتو ہم بھی بھگتیں اب اس میں لڑائی کا کیا فائدہ۔ فَاَغْوَيْنٰكُمْ ---ٹھیک ہے ہم نے تمہیں گمراہ کیا، کیوں کیا؟ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ۝ ---اس لیے کہ ہم خود گمراہ تھے۔ جب ہم خود گمراہ تھے تم ہمارے پاس لینے کیا آئے، ایک گمراہ سے تم ہدایت لینے آئے تھے؟ جو خود گمراہ ہے، کفر میں، شرک میں، گناہ میں، برائی میں مبتلا ہے، عقیدہ ہی درست نہیں تو تمہیں نیکی کہاں سے دے گا۔ تم بھی بدمعاش تھے، تم بھی برائی ہی چاہتے تھے، تم نیکی نہیں چاہتے تھے۔ ایک آدمی کو چینی چاہیے، دکاندار کو پیسے بھی دے تو مرچیں کیوں لے گا؟ چینی ملے گی تو لے گا، نہیں تو کہے گا میرے پیسے واپس کرو، میں جاتا ہوں۔ تمہیں اگر نیکی چاہیے تھی تو تم نے ہمیں پیسے بھی دیے، مدد بھی کی، وقت بھی دیا تو ہم سے برائی لے کر برا عقیدہ لے کر، کفر و شرک لے کر چلے گئے۔ اس کا مطلب ہے تم بھی بے ایمان تھے، تمہیں بھی یہ تمیز نہیں تھی کہ ہم کیا لے رہے ہیں، تم نے بھی خانہ پُری کی، چلے گئے، اب کیا کہتے ہو؟ اب فیصلہ ہو گیا، اللہ کی بات ہم پر صادق آگئی، اب ہمیں یہ بھگتنا ہے، ہم نے تمہیں گمراہ کیا اس لیے کہ ہم خود گمراہ تھے۔ فَاِنَّهُمْ يَوْمَىِٕذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ۝ ---اور اس دن سارے ایک ہی عذاب، ایک ہی قطار میں عذاب بھگتیں گے، ایک ہی جیسا دوزخ کا عذاب بھگت رہے ہوں گے۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ۝ ---فرمایا: جرم کرنے والوں کے ساتھ ہمارا یہی سلوک ہوتا ہے۔

انسان اشرف المخلوقات ہے اسے اور انسان بنا کر کریم نے عجیب مقام دیا ہے۔ کائنات ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہے اور ایک دوسرے کو متاثر کرتی ہے۔ یہ آپ نے دیکھا چھوٹے چھوٹے ذرات جو ہیں، یہ مختلف ذرات ہی کے اجزاء کو جوڑ کر انہوں نے ایٹم بم بنایا۔ بے کار ذرات ہیں جو ہمارے تو شائد ہاتھ میں بھی نہ آئیں، انہیں ہم چٹکی میں بھی نہ پکڑ سکیں لیکن ان کی بھی ایک دوسرے کے ساتھ ایسی خصوصیات ہیں کہ ایک خاص نسبت سے جوڑے گئے تو ایٹم بم بن گیا۔ اسی طرح ایک انسان نے ایٹم بم بنایا کتنی مخلوق کی تباہی کا سبب بنا۔ ایک بندے نے کلاشنکوف بنائی اس کا نام ہی کلاشنکوف تھا، اس نے اپنا نام رکھا، میرا خیال ہے بے پناہ مخلوق اللہ کی اس کے ساتھ موت کے گھاٹ اتر چکی ہے اور اترتی جا رہی ہے اور پتا نہیں کب تک استعمال ہو گی۔ چیزوں کا بھی ایک دوسرے پر بڑا اثر ہے۔ سورج نکلتا ہے، زمین پر، فضا پر اور اثرات ہوتے ہیں، ڈوب جائے اور ہوتے ہیں۔ چاند طلوع ہوتا ہے اُس کے اپنے اثرات ہیں۔ ستاروں کے سیاروں کے اپنے اثرات ہیں، سب سے مضبوط اثرات کائنات پر انسان کے پڑتے ہیں۔

بندے کا کردار ایسا ہے کہ یہ ساری کائنات کو متاثر کرتا ہے۔ اگر ہم جھوٹ بولتے ہیں، برائی کرتے ہیں تو جو نحوست نکلتی ہے وہ پورے ماحول، آسمانوں تک جاتی ہے، سارے ماحول کو آلودہ کرتی ہے، جتنی اس میں ظلمت ہے اتنی لے کے جاتی ہیں۔ ہم جو نیکی کرتے ہیں اس میں جو نور ہوتا ہے وہ بھی ساری کائنات کو متاثر کرتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کا ایک قول ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی چڑیا کے انڈے گیدڑ کھا جاتا ہے تو یہ بھی انسان کے کسی گناہ کی نحوست ہوتی ہے، جس سے جانور بھی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے۔

جب طوفانِ نوح علیہ السلام آیا تو جانوروں، پرندوں، حیوانوں نے تو کچھ نہیں کیا تھا لیکن بچے تو صرف وہی تھے جو کشتی ٔ نوحؑ میں تھے باقی سب تباہ ہو گئے، جانور بھی، چرند پرند بھی، ہر چیز۔ تو یہ حیوانات کیوں ہلاک ہو گئے ان کا کیا گناہ تھا؟ وہ انسان کے ساتھ ہلاک ہو گئے، انسان ان کی تباہی کا سبب بن گیا، یہ قانون اس وقت ہی نہیں تھا، آج بھی ہے۔ ہم جب گناہ کی جرأت کرتے ہیں ہمیں دیکھنا یہ چاہیے کہ اس کی تکلیف کہاں کہاں تک جائے گی اور جب اس کا ردِعمل آئے گا، مجھے جواب دینا پڑے گا، تو میرا کیا ہوگا؟ ہمیں نہیں معلوم کہ میرے ایک گناہ کی وجہ سے کہاں کہاں، کیا کیا، قیامت ٹوٹی، کس کس کو کیا کیا دکھ ہوا۔ آج ہم حیران ہیں کہ ہمیں عجیب سے دکھ لگ گئے ہیں، یہی ہمارا ماحول، یہی معاشرہ، یہی لوگ تھے۔ لوگ غریب تھے، مفلس تھے، پیسہ ملتا نہیں تھا۔ وہ زمانہ بھی ہم نے دیکھا ہے کہ جب روپے کو لوگ ترستے تھے، روپیہ نظر نہیں آتا تھا۔ یہ جو روپے میں چونسٹھ پیسے ہوتے تھے، ایک پیسے میں دو دھیلے اور تین پائیاں ہوتی تھیں تو پائیوں کا زمانہ تو ہم سے پہلے ختم ہو گیا لیکن دھیلے ہم نے بھی خرچ کئے ہیں۔ سکول پڑھتے تھے تو ایک پیسہ گھر سے لے کر جاتے تھے تو ایک دھیلے کی چیز دکان سے لی، ایک دھیلا واپس لے آتے تھے کہ چھٹی پر مونگ پھلی لیں گے۔ آج تو روپیہ بھی کوئی نہیں پوچھتا۔ لیکن لوگ صحتمند تھے، ہٹے کٹے تھے، جفاکش تھے، کام کرتے تھے، میلوں پیدل چلتے تھے، کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔ آج لوگوں نے باتھ روم بھی اندر بیڈ کے ساتھ بنائے ہوئے ہیں، باہر رفع حاجت کے لیے بھی نہیں جانا پڑتا سب کچھ گھر کے اندر، پانی بھی اندر، کھانا بھی اندر۔ جسے دیکھو بیمار ہے اور بیماری بھی عجیب ہے۔ ایک زمانے میں سنا کرتے تھے کہ امراء کو، فلاں بندے کو شوگر ہے تو سمجھ آجاتی کہ وہ جسے شوگر ہے وہ امیر آدمی ہوگا، وہ کسی غریب کو نہیں ہوتی تھی۔ عجیب بات ہوتی تھی۔ ہم سے کوئی ایک نسل پہلے ہمارے گاؤں کے ایک بندے کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ مر گیا تو بابے (بزرگ) حیرت سے بات کرتے تھے کہ ایک بندہ دارے پر بیٹھا تھا، بیٹھا بیٹھا پیچھے گرا تو مرا ہوا تھا۔ اتنی عجیب بات تھی کہ وہ بات، وہ کہانی دو نسلوں تک چلتی رہی اس ایک بندے کی۔ آج بغیر ہارٹ اٹیک کے تو کوئی مرتا ہی نہیں، چلتا چلتا گرتا ہے، مر جاتا ہے۔ یہ شوگر اور نئے نئے امراض، مجھے تو ان سب کے نام بھی نہیں آتے، کلسٹر ول ہو گیا، فلاں کو فلاں، پتا نہیں کیا، روزانہ شور مچا ہوا ہوتا ہے۔ یرقان ہو گیا یہ کہیں نام نہیں پایا جاتا تھا۔ اب یہ حال تو صحت کا ہو گیا، معاشرے کا حال یہ ہے کہ ہر دوسرا بندہ ڈاکو ہے۔ دُکان پر جاؤ تو وہ لوٹ لیتا ہے، بل دینے جاؤ تو وہ لوٹ لیتے ہیں۔ عدالت میں جاؤ تو وہاں رشوت دینی پڑتی ہے، تھانے جاؤ تو وہ لوٹ لیتے ہیں۔ جہاں جاؤ کوئی نہ کوئی ڈاکو آگے بیٹھے ہیں۔ پھر ہم ہی ہیں، آدھے ہم اِدھر آدھے اُدھر، آدھے مار رہے ہیں، آدھے مر رہے ہیں، بچوں کو قتل کیا جا رہا ہے بزرگوں کو مارا جا رہا ہے، بسوں کو اُڑایا جا رہا ہے، مساجد میں بم پھینکتے ہیں، یہ کیا ہو گیا؟ بڑا زور لگ رہا ہے، پوری دنیا دہشت گردی روک رہی ہے لیکن بنیاد اس کی انسانی کردار ہے۔ برائی کوئی نہیں روکتا، دہشت گردی روکنا چاہتے ہیں، جو پھل ہے۔ کھیت اُگتے رہیں، فصلیں اُگتی رہیں، پھل نہ آئے ان پر اور یہ کیسے ممکن ہے؟ برائی ہوتی رہے، چوری ہوتی رہے، بدمعاشی ہوتی رہے۔ ایسا عجیب دور آگیا ہے کہ ہم اس بندے کو حکمران بناتے ہیں کہ جب اس کی حکومت ختم ہوتی ہے تو وہ جیل چلا جاتا ہے، پیچھے پولیس لگی ہوتی ہے۔ یار! ہم صرف چوروں کو ہی چنتے ہیں؟ یہ کیا عجیب بات ہے کہ جو عہدے سے نکلتا ہے پیچھے پولیس لگی ہوئی ہے، جیل چلا جاتا ہے یا ملک سے باہر بھاگ جاتا ہے یا کہیں چلا جاتا ہے۔ ایک

یہاں نہیں پوری دنیا میں کم وبیش ایک ہی حال چلا جا رہا ہے۔ یہ سارا کیا ہے؟ یہ وہ نتائج ہیں جو ہمارے گناہوں کی نحوست پر مرتب ہوتے ہیں۔ اسباب ظاہری ضرور اختیار کیے جائیں لیکن دہشت گردی کو، ان وحشت ناک بیماریوں کو اس حسرت زدہ ماحول کو بدلنے کے لیے کردار کی اصلاح بنیادی بات ہے۔

مجھے یاد ہے ہمارے گاؤں میں ایک شادی تھی انہوں نے کوئی گانے والی عورتیں بلائیں۔ ہمارے ایک دو مکان الگ بنے ہوئے تھے جو خالی پڑے تھے اور ہمارے دو تین گھر جو تھے ان سے ذرا فاصلے پر تھے، وہاں انہیں ٹھہرایا گیا۔ میرے ایک ماموں ہوتے تھے، وہ فوت ہو گئے، اللہ بخشے، وہ بھی شغل پسند تھے۔ انہوں نے کہا انہیں ہمارے ان مکانوں میں ٹھہرا لو۔ میری نانی جی کو پتا چلا، انہوں نے تو شور مچا دیا، انہوں نے کہا ان گانے والیوں کو میرے مکانوں سے نکالو۔ کہا گیا کہ اماں جی! ہمارا گھر دور ہے۔ انہوں نے کہا دور ہے یا نزدیک ہے ہمارے مکان میں گانے والے ڈوم نہیں ٹھہریں گے، نکالو فوراً نکلواؤ۔ اب انہیں سٹار کہا جاتا ہے۔ اب وہ ہمارے ستارے بن گئے ہیں تو جب معاشرے میں اتنی تبدیلی آگئی ہے کہ برائی پر ہم نے لیپ کر کے خوبصورت نام لگا دیا ہے تو غلاظت پر اوپر لیپ لگا کر، اوپر ایک خوبصورت سا نام لکھ کر یعنی برائی کو ہم اچھائی کے روپ میں دکھاتے ہیں۔ آج ایک فنکار مر گیا ہے تو ایک شور پڑا ہوا ہے کہ وہ مر گیا۔ اس نے ایک سو بیس (120) فلموں میں کام کیا تھا۔ یار! کیا کاریگری کی تھی ایک سو بیس فلموں میں؟ تو جب معاشرے کی اقدار ہی بدل گئی ہیں تو اس کے نتائج دہشت گردی ہوگی، بیماریاں ہوں گی، افلاس ہوگا، چور بازاری ہوگی۔ یہ عذاب الٰہی ہے، عذاب الٰہی روکنے کی پہلی تدبیر توبہ ہے۔ باقی دنیا کی جو تدبیریں ہیں وہ بھی ضرور کرو لیکن بنیاد اصلاح معاشرہ پر رکھو۔ یہ لوگ تو لطائف جواب دیں گے، کہیں گے فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ؟ ٹھیک ہے ہم نے تمہیں گمراہ کیا لیکن ہم کون سے ہدایت پر تھے، ہم تو خود گمراہ تھے، تمہیں بھی گمراہ ہی کرنا تھا۔ گمراہ، برے سے برائی ہی ملے گی اچھائی نہیں۔ تم میں بھی برائی کے جراثیم تھے جو ہم سے آ چمٹے تھے۔ فَاِنَّهُمْ يَوْمَىِٕذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ۔۔۔ اس دن سب کو ایک جیسا عذاب ہوگا۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ۔۔۔ مجرموں کے ساتھ ہم یہی سلوک کرتے ہیں۔ جو برائی بیجتا ہے جیسے آپ کوئی فصل کوئی پھل، کوئی درخت بیجتے ہیں تو اس پر وہی پھل لگتا ہے، جیسے آپ کیکر بیجیں گے تو کیکر کا پودا اُگے گا، اُس پر کانٹے ہی لگیں گے، آم بوئیں گے تو اُس پر آم لگیں گے۔ قدرت کا نظام ہے۔ فرمایا: ہم کسی کے لیے اپنا نظام، اپنا طریقہ کار نہیں بدلتے۔ انہوں نے کفر و شرک کے بیج بوئے، گناہ کی اُسے کھاد ڈالی، بُرائی کا پانی لگایا، آج اُس پر پھل آگیا ہے وہ جہنم میں جا رہے ہیں، جاؤ موج کرو۔ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ۔۔۔ جب انہیں کہا جاتا تھا کہ عبادت صرف اللہ کا حق ہے غیر مشروط اطاعت صرف اللہ کا حق ہے، یہ اللہ کے علاوہ کسی کا حق نہیں۔ آپ اللہ کے سوا کسی کی اطاعت بھی کریں گے تو اس میں ایک شرط ہوگی کہ جس کی اجازت اللہ نے دی ہے وہ اطاعت کروں گا جس کی اللہ اجازت نہیں دیں گے وہ نہیں کروں گا۔ جب اللہ کی اطاعت کریں گے کوئی شرط نہیں ہوگی۔ یہ اس کا حق ہے، اسے زیبا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ تو جب انہیں کہا جاتا تھا توبہ کرو، اکڑتے تھے کہ ہمارا فلاں بت، ہمارا فلاں بزرگ، ہمارا فلاں بڑا، ہمارا فلاں بادشاہ يَسْتَكْبِرُوْنَ۔۔۔ یہ اللہ کے سامنے تکبر کرتے تھے۔ توحید کو نہیں مانتے تھے، اس کی عظمت کا اقرار نہیں کرتے تھے۔ وَيَقُوْلُوْنَ اَىِٕنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ۔۔۔ اور یہ کہتے ہیں ہم اپنے معبودوں کو جن کی عبادت کرتے ہیں اور باپ دادا، جن کو صدیوں سے پوجتے تھے، ان کو ایک شاعر اور پاگل آدمی کے لیے چھوڑ دیں۔ شاعر اور پاگل کیوں کہتے تھے؟ وہ کہتے تھے کہ یہ چند مفلس بندے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایمان لے آئے ہیں، یہ مکہ مکرمہ کے چند غرباء، یہ قیصر و کسریٰ اور دنیا کی حکومتیں بدل دیں گے، یہ شاعرانہ تعلی ہے یا پھر یہ پاگل ہیں۔ یہ پاگل کی بڑ ہے، یہ سوچنا بھی ناممکنات میں نظر آتا ہے۔ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ۔۔۔ لیکن آخر حق ہی غالب ہوا اور اللہ کے تمام رسولوں نے اپنے اپنے عہد میں جو دعویٰ کیا

وہ ثابت ہوا۔ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۷﴾ --- اللہ کے رسولوں نے سچ کہا اور ہمیشہ حق غالب آیا اور سچا دین غالب آیا۔ اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ --- اب تم نے حق کی مخالفت کی تھی تمہیں بہت دردناک عذاب بھگتنا ہوگا۔ عذاب، عذاب ہوتا ہے پھر اس کے ساتھ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ --- کا اضافہ فرما دیا۔ رب جلیل نے دردناک عذاب، عذاب تو ویسے عذاب ہوتا ہے تکلیف ہوتی ہے دکھ ہوتا ہے پھر ساتھ اللہ نے مزید دکھ بھرے کا لفظ لگا دیا۔ الْاَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ --- درد بھرا عذاب لیکن فرمایا اس میں کوئی تم سے زیادتی نہیں کر رہا وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ --- تمہیں وہی کچھ مل رہا ہے جو تم نے کمایا، یہ تمہارے اپنے اعمال ہیں، تمہارا اپنا کردار ہے جو تم نے کیا وہ تمہیں مل رہا ہے۔

"الابریز" معروف کتاب ہے اس میں حضرتؒ (اپنے زمانے کے غوث تھے) ان کے ارشادات جمع کیے ہیں اُن کے ایک شاگرد نے (وہ بھی ولی اللہ تھے اور قطب تھے اپنے زمانے کے جو جامع ہیں الابریز کے) آخری واقعہ وہ لکھتے ہیں کہ ہمارے شہر کے گورنر کو بادشاہ نے معزول کر دیا تو میں حضرتؒ کی خدمت میں گیا، آپ کمبل اوڑھ کر لیٹے ہوئے تھے، میں نے عرض کی حضرت بڑا کام ہوا، گورنر بڑا ظالم تھا، اللہ نے لوگوں کو اس کے ظلم سے نجات دلائی اور اسے بادشاہ نے معزول کر دیا ہے! انہوں نے تھوڑی دیر غور کیا اور فرمایا کہ تم کہتے ہو یہ معزول ہو گیا ہے لیکن میں دیکھ رہا ہوں اس کے لیے جہنم میں جو عذاب بن رہے ہیں ان میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر یہ معزول ہو جاتا تو یہ عذاب رُک جاتا، اس کا ظلم رُک جاتا تو نتائج بھی رُک جاتے لیکن جہنم میں اس کے لیے جو عذاب تیار ہو رہے ہیں ان میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، تم کیسے کہہ سکتے ہو معزول ہو گیا؟ آگے وہ بڑی حیرت سے لکھتے ہیں کہ پھر میں نے دوسرے دن سنا کہ بادشاہ نے اسے بحال کر دیا ہے۔ ہمارا جو کردار ہے وہ ہم تعمیر کر رہے ہیں، اپنے لیے آرام کی جگہیں بنا رہے ہیں، آسائش کی جگہیں بنا رہے ہیں، خوبصورت بنا رہے ہیں یا اپنے لیے دکھ اور تکلیف کے خانے کھول رہے ہیں، عذاب بنا رہے ہیں۔ اس دن یہی فرمایا جائے گا یہ ہمارا کردار ہے، وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۹﴾ --- یہ کچھ بھی نہیں جو تمہیں ملا ہے، یہ تمہاری کمائی ہے پھر انہیں سمجھ آئے گی کہ کتنی محنت کی دنیا میں، کتنی تکلیفیں اٹھائیں۔ کیا ڈاکے ڈالنا آسان ہے، چوری کرنا آسان ہے؟ رشوت کوئی سیدھے ہاتھ دیتا ہے؟ جھوٹی گواہیاں دینا آسان ہے؟ ہر برائی مشکل ہے۔ پھر انہیں سمجھ آئے گی کہ ہم بڑی مشکلوں سے، بڑی محنتوں سے، بڑی مشقتوں سے جہنم میں پہنچے۔ کہا جاتا ہے کہ جنت جانا مشکل ہے۔ جنت جانا کیا مشکل ہے کہ جھوٹ نہ بولو، حلال کھاؤ، اللہ کی عبادت کرو، نہ پولیس کا خطرہ نہ اس میں کسی کی ذاتی دشمنی، نہ کسی کا دکھ نہ تکلیف۔ مشکل تو جہنم جانا ہے، چوری کرو تو مشکل، ڈاکہ ڈالو تو مشکل، قتل کرو تو مشکل، رشوت لو تو مشکل، بدکاری کرو تو مشکل، ہر برا کام مشکل ہے، یار! پیچھے پولیس پھرتی ہے۔ تو اس دن اللہ کریم فرمائیں گے کتنی محنت تم نے کی تھی، کتنی مشقت تم نے اٹھائی تھی، یہ اس کا پھل ہے۔ تم نے غلط محنت کی، غلط طرف کوشش کی، غلط طرف اپنی قوتوں کو صرف کیا اور آج اس کا نتیجہ بھگتو۔ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ --- یہ بندے بھی دنیا میں ہی تھے، تمہارے ساتھ ہی تھے، اُسی فضا میں تھے، اُسی ماحول میں تھے، انہی حکمرانوں کے ماتحت تھے، اسی شب و روز میں گزارا کرتے تھے لیکن وہ میرے مخلص بندے تھے، انہوں نے مجھ سے وفا کی، انہوں نے میری عظمت کا اقرار کیا، ان کے سجدے میری بارگاہ میں ہوتے تھے، وہ بھی رزق وہی کھاتے تھے جو تم کھاتے تھے لیکن وہ حرام نہیں کھاتے تھے۔ اسی ماحول میں رہتے تھے جس میں تم رہتے تھے۔ تم جھوٹ بول کر، خوشامد کر کے فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ دیانت داری سے کام کرتے تھے اور سچ بولتے تھے۔ تمہاری اُمیدیں غیر اللہ سے وابستہ تھیں وہ میری ذات سے امید وابستہ رکھتے تھے۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾ --- ان کے لیے بھی ہم نے ان کا بدلہ مقرر کر رکھا ہے، طے شدہ ہے ان کا بھی رزق، ان کی روزی بھی طے شدہ ہے۔ فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ --- طرح طرح کے پھل اور بہت زیادہ عزت اور پذیرائی، ہر میوہ، ہر پھل ہر طرح کا لباس، ہر طرح کا آرام اور ہر طرح کی آسائشیں اور اللہ کی طرف سے عزت افزائی۔ انسان ہی ہیں، آدم کی اولاد ہی ہیں، تمہارے بھائی ہیں، تمہارا ماحول، تمہارے شہر، تمہارے گاؤں، تمہاری قوم،

تمہارے ملک کے رہنے والے لوگ ہیں، وہیں تمہارے ساتھ دنیا میں بستے تھے تم نے وہ کمایا، انہوں نے یہ کمایا۔ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۔۔۔ ان کا اعزاز یہ ہے کہ ان باغوں میں رہیں گے جن میں بے شمار نعمتیں ہوں گی جو نعمتوں سے پر، انعامات سے پر، طرح طرح کی نعمتیں ہیں۔ عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۔۔۔ آمنے سامنے گاؤ تکیے لگا کے بیٹھے ہیں۔ یہ بھی تو اسی ماحول سے آئے، اسی دنیا سے آئے، اسی آب وگل سے بنے تھے تو وہی ضرورتیں ان کی بھی تھیں جو تمہاری تھیں لیکن انہوں نے اللہ کی اطاعت کی، انبیاءؑ کی اطاعت کی، اللہ کے ساتھ وفا کی، اللہ کے دین کے ساتھ وفا کی، یہ آج مزے میں بیٹھے ہیں، ہر طرح کے پھل ان کے لیے ہیں، بہترین باغات ان کے لیے ہیں اور آرام دہ رہائشیں ان کے لیے ہیں، گاؤ تکیے لگا کے بیٹھے ہیں۔ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۔۔۔ دور چل رہے ہیں، مشروبات پی رہے ہیں، سفید رنگ کے مشروب ہیں، کتنے خوبصورت اور کتنے لذیز اور مزے کی یہ بات ہے۔ لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ۔۔۔ اور یہ مشروبات ایسے ہیں کہ نہ تو ان میں بے ہوشی ہے نہ ان سے کوئی سر بھاری ہوتا ہے۔ دنیا میں تو جو شراب پیتے تھے وہ پی کے مدہوش ہو جاتے تھے اور سر بھاری ہو جاتا تھا پھر صحتیں بھی تباہ ہوتی تھیں۔ یہ جنت کے مشروب ہیں ان میں لذتیں بے پناہ ہیں لیکن حواس مختل نہیں ہوتے، لذتیں بے شمار ہیں لیکن صحت خراب نہیں ہوتی۔ وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ۔۔۔ اور ان کے پاس خوبصورت بیبیاں ہیں، نیچی نگاہوں، موٹی آنکھوں والی یعنی شرم وحیا والی، انتہائی حسین ایسے جیسے کسی نے ابھی کوئی پروں چھپا ہوا انڈہ نکالا ہو۔ فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۔۔۔ یہ بھی گاؤ تکیوں پر بیٹھے مشروبات پی رہے ہوں گے، ان کی خوبصورت بیویاں ہوں گی۔ یہ یاد رہے کہ اس سے مراد صرف حوریں نہیں ہیں۔ جنت کی مخلوق ہیں حوریں، اللہ کریم اپنے نیک بندوں کو عطا فرمائے گا اور بڑے عجیب واقعات اس میں بھی ملتے ہیں۔ ایک حدیث مجھے یاد ہے کہ جب حضور اکرم ﷺ نے خیبر کا محاصرہ فرمایا ہوا تھا اور اسلامی لشکر خیمہ زن تھا، وہی اصحاب تھے بالعموم جو حدیبیہ میں آپ ﷺ کے ہمرکاب تھے، جو حضرات حدیبیہ سے واپس آئے تو خیبر چلے گئے، بعض چودہ سو لکھتے ہیں بعض پندرہ سو لکھتے ہیں، چودہ سو یا ساڑھے چودہ سو کے قریب صحابہ کرامؓ تھے۔ ایک حبشی غلام تھا کسی یہودی کا، اسی خیبر کے قلعے کا رہنے والا تھا، وہ اس کی بکریاں چرایا کرتا تھا، محاصرہ تو کئی دن رہا تو وہ بکریاں لے کر صبح قلعے سے باہر نکلا، پہرہ دار دروازہ کھول دیتے ہوں گے، باہر نکالا ریوڑ لے کر تو اس نے دیکھا کہ محاصرہ ہو رہا ہے اور باہر فوجی کھڑے ہیں اور تلواریں ہیں، کمانیں ہیں، اسلحہ ہے اور سامانِ حرب ہے۔ وہ بڑا حیران ہوا کہ روز تو میں باہر آتا تھا ایسا تو نہیں ہوتا تھا تو اس نے کسی مسلمان سے ہی جا کر پوچھا کہ بھئی! آپ لوگ کون ہیں؟ یہ کیا کر رہے ہو؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟ انہوں نے اُسے بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور اُنہوں نے انہیں دعوتِ حق دی ہے اور اُنہوں نے انکار کیا ہے تو اب انہوں نے محاصرہ کر لیا ہے اور اب مقابلہ ہوگا۔ جہاد ہوگا۔ اللہ کے رسول ﷺ کس لیے ہیں؟ فرمایا اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو تو اللہ کو راضی کرو تو اُخروی زندگی کے انعامات پاؤ، اس دنیا میں بھی عزت پاؤ، آخرت میں بھی۔ اُنہوں نے حضور ﷺ کا تعارف کرایا تو اس نے کہا مجھے آپ ﷺ کے پاس لے چلیں۔ بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا، سادہ سا آدمی تھا سیاہ رنگ کا اُس نے حضور ﷺ سے تصدیق چاہی کہ اس بندے نے مجھے یہ بتایا ہے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ﷺ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا بے شک میں اللہ کا رسول (ﷺ) ہوں۔ آپ ﷺ کیا چاہتے ہیں، کہ بندہ کیا کرے؟ بندہ اللہ کی توحید کا قائل ہو، میری رسالت کو مانے، اللہ کی رضا کو پائے۔ تو اُس نے کہا اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے بھی اللہ وہی انعام دے گا، اسی طرح راضی ہوگا؟ فرمایا: بے شک۔ غلام تھا اب غلام کے پاس تو یہ تصور نہیں ہوتا کہ آزاد لوگوں میں مجھے بھی شمار کیا جائے گا۔ پھر اس نے دوسری عرض کی! یا رسول اللہ ﷺ اگر میں آپ ﷺ کے مجاہدین کے ساتھ مل کر حملہ آوروں میں شامل ہو جاؤں اور وہاں مارا جاؤں تو میں بھی شہید ہو جاؤں گا؟ فرمایا: بالکل تم بھی شہید ہو گے۔ کہنے لگا پھر میرے پاس بکریاں امانت ہیں میرے مالک کی جو یہودی تھا،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم بکریاں ہانک دو، وہ چلی جائیں گی۔ اللہ کی شان، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا، اُس نے بکریاں ہانک دیں، وہ ساری قلعے کے دروازے پر جا کر جمع ہوگئیں، ان پہرہ داروں نے دروازہ کھول کے اندر کرلیں۔ وہ اسی روز کے حملے میں شامل ہوگیا۔ جب شہداً لائے گئے تو اس میں اس کی میت بھی تھی، شہید ہوگیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرض کیا گیا تو آپ ؐ نے حکم دیا کے اس کی میت لائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس کی میت کو دیکھنے کے لیے تو جہاں چارپائی پڑی تھی، جیسے اوٹ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نکلے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پلٹ کر واپس چلے گئے۔ عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم میت دیکھنے گئے تھے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف نہیں لے گئے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے پاس اس کی حور بیٹھی تھی تو میں حیا سے آگے نہیں گیا۔

یہ جنت کی مخلوق ہیں، اللہ کے بندوں کا انعام ہیں۔ لیکن ایک بات یاد رہے جو خواتین دنیا میں ہیں اور جنہیں ایمان نصیب ہوا اور نیک عمل کیے اور جو جنت میں گئیں وہ حوروں سے کروڑوں درجہ زیادہ درجات میں ہیں۔ حوریں ان کی کنیزیں ہوں گی کیونکہ حور دنیا پر نہیں آئی ہے۔ حور مکلف نہیں تھی، اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع نہیں کیا، اس نے یہاں دنیا کی تکلیفیں سہہ کر اللہ کی عبادت نہیں کی، وہ جنت کی مخلوق ہے۔ بہت خوبصورت، بہت حسین، بہت بلند لیکن جو خواتین جنت میں جائیں گی ان کا حسن حوروں سے کروڑوں گنا زیادہ ہوگا اور وہ مالک ہوں گی اور حوریں کنیزیں ہوں گی۔ سو یہاں غلطی لگ جاتی ہے، خواتین کی حوصلہ شکنی ہوتی ہے، نہیں ہونی چاہیے کیونکہ حوریں ان کی بھی خادمائیں ہوں گی، کنیزیں ہوں گی۔ تو فرمایا: ان پر مشروبات کا دور چل رہا ہوگا، صاف چاندی کے برتنوں میں، لذیز مشروب ان میں کوئی خرابی نہیں ہوگی اور خوبصورت نیچی نگاہ رکھنے والی، بڑی بڑی آنکھوں والی جیسا ابھی کسی نے انڈے کو پُروں سے نکالا ہو، خوبصورت خواتین ہوں گی۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنۡهُمۡ ۔۔۔ ان میں سے ایک بندہ یہ کہے گا۔ اِنِّیۡ كَانَ لِیۡ قَرِیۡنٌ ۝۵۱ ۔۔۔ میرے قریب ہوتا تھا، میرا ساتھی تھا، ملاقاتی تھا، وہ مجھے کہتا تھا کہ یار! تم بھی یہ باتیں مانتے ہو کہ مَر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں اور ہڈیاں گل جائیں گی اور پھر ہمیں زندہ کیا جائے گا اور پھر ہمیں بدلہ ملے گا، یہ تم بھی مانتے ہو؟ ءَاِذَا مِتۡنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِیۡنُوۡنَ ۝۵۳ ۔۔۔ جب ہم گل سڑ جائیں گے اور ہماری ہڈیاں گل سڑ جائیں گی، خاک ہوجائیں گے تو پھر زندہ کیے جائیں گے اور پھر بدلہ ملے گا اور پھر اس کا انعام ملے گا یا سزا ملے گی۔ وہ یوں کہا کرتا تھا تو میں اس کی بات سے متفق نہیں ہوتا تھا، میں اپنے عقیدے پر رہا وہ اپنے عقیدے پر، پتا نہیں اس کا کیا ہوا؟ ہم تو یہاں آگئے، موج میلے میں بیٹھے ہیں، پتا نہیں وہ کہاں گیا؟ قَالَ هَلۡ اَنۡتُمۡ مُّطَّلِعُوۡنَ ۝۵۴ ۔۔۔ بارگاہِ ایزدی سے ارشاد ہوگا، تم دیکھنا چاہتے ہو وہ کہاں گیا، بات کرنا چاہتے ہو اس سے، دیکھنا چاہتے ہو؟ فَاطَّلَعَ ۔۔۔ تو وہ نگاہ اٹھائے گا۔ فَرَاٰهُ فِیۡ سَوَآءِ الۡجَحِیۡمِ ۝۵۵ ۔۔۔ تو عین جہنم کے درمیان، اس کو دیکھے گا یعنی اتنی نگاہ نہ صرف اہل جنت کی ہوگی بلکہ اہل دوزخ کی بھی ایسی ہوگی۔ آخرت میں سب کی نگاہ فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الۡیَوۡمَ حَدِیۡدٌ ۝۲۲ (سورۃ ق: 22)۔۔۔ جیسے جنتی جنت میں بیٹھے ہوئے اس طرح دیکھیں گے تو وہ سارے دوزخ میں بھی دور تک دیکھ سکیں گے اس طرح جہنمی بھی جنت کو دیکھیں گے۔ جنتیوں کے لیے راحت کا سبب ہوگا کہ اللہ نے ان مصیبتوں سے بچایا، دوزخیوں کے لیے حسرت ہوگی کہ یہ ہمارے ساتھ کے لوگ وہاں موج کر رہے ہیں، ہمارا کیا؟

اگر دنیا میں یہ نگاہ نصیب ہوجائے تو اسے کشف کہتے ہیں، اُخروی حیات کا یقین کی حد تک آجانا یا عالم غیب کی چیزوں کا نظر آنا۔ کشف اختیاری نہیں ہوتا، اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے جو چیز چاہے بتا دے جو چیز نہ چاہے نہ بتائے۔ پھر ہر بندے کا کشف حق نہیں ہوتا، نبیؑ کی شریعت کا محتاج ہوتا ہے۔ اس کے مطابق ہے تو درست ہے، اس کے مطابق نہیں ہے تو غلط ہے۔ کشف غلط ہے شریعت درست ہے پھر نبیؑ کے کشف کی ساری اُمت مکلف ہوتی ہے، ولی کا کشف صرف اس کی ذات کے لیے ہے، دوسرے کے لیے کوئی حجت نہیں۔ تو ایک ان میں سے کہے گا یار! میرا ایک ملاقاتی ہوتا تھا، ملنے جلنے والا اور مجھے بھی حیرت سے کہتا تھا یار! تو بھی ان ڈھکوسلوں کو مانتا ہے کہ مَر جائیں گے اور مٹی

ہوجائیں گے اور ہڈیاں گل سڑ جائیں گی تو پھر ہم زندہ ہوجائیں گے اور پھر ہمیں ان کا اجر، معاوضہ ملے گا۔ ارشاد ہوگا: دیکھنا چاہتے ہو؟ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿۵۴﴾۔۔۔ تمہیں دیکھنا ہے اس کے ساتھ کیا ہوا؟ فَاطَّلَعَ۔۔۔ تو وہ جھانکیں گے، دیکھیں گے۔ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۵۵﴾۔۔۔ تو اسے عین جہنم کے درمیان میں عذاب بھگتتا دیکھیں گے۔ قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ﴿۵۶﴾۔۔۔ اس وقت وہ کہے گا! اللہ کی قسم! اگر میں تیری بات سنتا تو تُو نے تو مجھے مروا ہی دیا تھا، دیکھ تیرا کیا حشر ہے آج، اگر میں بھی تیری بات سنتا لَتُرْدِیْنِ ﴿۵۶﴾۔۔۔ تُو نے مجھے بھی تباہ کر ڈالنا تھا، آج میں بھی وہاں دھکے کھا رہا ہوتا جہاں تُو ہے۔ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۵۷﴾۔۔۔ اور مجھ پر اللہ کا کرم نہ ہوتا، میری کوئی بہادری نہیں ہے، مجھ پر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو آج میں بھی تیرے ساتھ پکڑا ہوا کھڑا ہوتا، میں بھی ماخوذ لوگوں میں ہوتا، انہی لوگوں میں ہوتا جو بھگت رہے ہیں۔ اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ﴿۵۸﴾۔۔۔ لیکن اب تو ہم ایسی جگہ پہنچ گئے ہیں بھئی! جہاں کوئی دکھ نہیں ہے اور سب سے بڑا دکھ، سب سے بڑا ڈر تو موت ہوتی ہے ہم جنت میں آ گئے، اب یہاں موت بھی کوئی نہیں، کوئی پریشانی، کوئی بیماری، کوئی تکلیف حتیٰ کہ موت کا خطرہ بھی کوئی نہیں، اب ہم مریں گے بھی نہیں اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰی۔۔۔ وہ راستے میں تھی اس سے ہم گزر آئے، وہی موت تھی جس سے ہم گزر کر یہاں پہنچ گئے۔ بس اب یہاں موت بھی نہیں ہے۔ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۵۹﴾۔۔۔ اور جنت کے داخلے کے بعد اب کسی عذاب کا بھی ڈر نہیں رہا، نہ کوئی بیماری، نہ دکھ، نہ اللہ کی ناراضگی، نہ کوئی عذاب، نہ کوئی پریشانی، مزا ہی مزا، لطف ہی لطف۔ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۰﴾۔۔۔ یقیناً یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ اس دارِ دنیا سے، ان آلائشوں سے، اس جھاڑ جھنکار سے اس طرح دامن بچا کر نکل جانا۔ فرمایا: یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ یہاں تو دولت لوٹ کر جمع کر کے کہتے ہیں بڑا خوش بخت ہے، بڑا بخت آور ہے، بڑا سیانا ہے۔ فرمایا: نہیں! عقلمندی، دانش، ہمت یہ ہے کہ اس دنیا کے خار زار سے دامن بچا کے نکل جائیں۔ اللہ کی اطاعت میں جان دے دے، اللہ کے دین پر مر جائے، اللہ اُسے قبول کرے۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۰﴾۔۔۔ یقیناً یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾۔۔۔ لوگو! تمہیں کرنا تو کچھ ہے ہی، ایسا کیوں نہیں کرتے یعنی وہ جو کام انسانیت کا یا عالمِ بشریت کا یا زندگی کے وہ جو کام ہیں وہ کرنے ہیں۔ تمہیں مزدوری بھی کرنی ہے، روزی بھی کمانی ہے، کپڑے، لباس بھی پہننا ہے، کھانا بھی کھانا ہے بچے بھی پالنے ہیں، یہ سارا کام کرنا ہے، سارا کام وہی کر کے لوگ جنت میں آ گئے تم سارا وہی کام کر کے جہنم چلے گئے ہو۔ وہ سارا کام اس طرح کیوں نہیں کرتے جس طرح یہ کرتے تھے جو جنت میں پہنچ گئے ہیں۔ انہوں نے بھی دنیا میں بچے بھی پالے، والدین کی خدمت بھی کی، گھر بھی بنائے، لباس بھی پہنا، سوئے بھی، جاگے بھی، سارا کچھ یہی انہوں نے بھی کیا، یہی تم نے بھی کیا، تم اللہ کی اطاعت سے نکل کر کرتے رہے یہ حدودِ الٰہی کے اندر کرتے رہے، کرتے تو ایک ہی رہے۔ زندگی تو سب کی انسانی ہی تھی، سب نے یہی کچھ بنایا۔ والدین کی خدمت کر لی یا بچے پال لیے یا گھر بنا لیا اور کیا کر لیا تم نے، تم نے کیا تیر مار لیا؟ یار! کرتے تو تم بھی وہی رہے۔ کاش اس طرح کیا ہوتا جیسا انہوں نے کیا ہے تم نے بھی روزی ہی کمائی، حلال کماتے، تم نے بھی باتیں ہی کہیں، سچ بولتے۔ تم نے بھی لباس ہی پہنا، پاکیزہ جائز اور حلال ذرائع سے حاصل کرتے۔ اے لوگو! تمہیں عمل تو کرنا ہے۔ لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾۔۔۔ کام تو کرنا ہے اس طرح کے کام کرو جن کا نتیجہ اعلیٰ ہو۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O

دعائے مغفرت

1۔ چکوال سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی صوبیدار محمد اشرف کی والدہ محترمہ
2۔ گوجرانوالہ سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد ریاض جنجوعہ
3۔ گجر خاں سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد سفارش کے والد محترم
4۔ قادر آباد، منڈی بہاء الدین سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد رفیق کی اہلیہ محترمہ
5۔ لاہور سے سلسلہ عالیہ کے ساتھی خالد بٹ کی والدہ محترمہ

وفات پا گئے ہیں۔ دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

21 جون 2014ء

شیخ المکرم کی مجلس میں سوال اور اُن کے جواب

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

سوال:

حمل کے ساٹھ (60) دنوں کے بعد دل دھڑکنا شروع ہو جاتا ہے جبکہ ایک سو بیس (120) دنوں کے بعد اس میں روح آتی ہے، اس پر تمام ڈاکٹر متفق ہیں۔ دل پہلے دھڑکنا شروع ہو جاتا ہے روح بعد میں آتی ہے، یہ ماجرا سمجھ میں نہیں آتا؟

جواب:

بڑا دلچسپ بھی اور بنیادی سوال ہے کہ دل جیسے ہی بنتا ہے، جیسے ہی وجود میں آتا ہے وہ دھڑکنا شروع کر دیتا ہے اور باقی اعضاء سے پہلے بنتا ہے۔ جب گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے تو اس میں جو پہلا عضو بنتا ہے وہ دل ہوتا ہے اور بننے سے دھڑکنا شروع کر دیتا ہے۔ روح جو ہے وہ ایک سو بیس دن کے بعد وجود میں آتی ہے، یہ حدیث شریف میں بھی ارشاد ہے اور جدید سائنس بھی گرتی پڑتی یہاں تک پہنچ گئی ہے۔ اس میں دیکھنا یہ ہے کہ دل کے دو عمل ہیں، دو فنکشن ہیں، ایک فنکشن ہے وجود کو قائم رکھنا تو اللہ کریم نے اسے بنیادی حیثیت دی ہے کہ یہ صرف وجود کو قائم نہیں رکھتا، تعمیرِ وجود میں بھی اس کا حصہ ہے۔ پہلے دل بنتا ہے اور بنتے ہی دھڑکنا شروع کر دیتا ہے۔ اس کی ہر دھڑکن خون کو پمپ کرتی ہے اور آگے مختلف اعضائے وجود کی تکمیل ہوتی ہے، آگے اعضاء بنتے ہیں، یہ اس کا شعبہ ہے۔ یہ اس کا کام ہے۔ دوسرا کام یہ ہے کہ انسان کو جو معرفتِ الٰہی کی استعداد دی گئی ہے اس کی بنیاد بھی دل ہے۔ اب روح بدن میں آ گئی لیکن ابھی دل مکلف نہیں ہے۔ وجود بن گیا پھر وجود پیدا ہوا، پھر وجود دنیا پہ بڑھتا رہا جب اس کے اعضاء و جوارح، دماغی نظام جو ہے وہ بلوغت کو، سمجھنے کو، پہنچا تو پھر وہ عباداتِ الٰہی کا اور معرفتِ الٰہی کا مکلف ہوا۔ وجود کے بننے کے لیے اور اس کو قائم رکھنے کے لیے سب سے پہلے دل بنتا ہے اور دل بنتے ہی دھڑکنا شروع کر دیتا ہے اور اس کی دھڑکن خون کو پھیلاتی ہے، پمپ کرتی ہے پھر جو اعضاء بنتے جاتے ہیں ان میں خون پہنچتا جاتا ہے یعنی حیاتِ مادی کا ہی نہیں وجود کی تعمیر کا بھی سبب ہے۔ یہ ایسی مشین ہے کہ انسان میں روح آنے سے پہلے چلنا شروع کرتی ہے اور روح کے رخصت ہونے تک چلتی رہتی ہے۔ رات، دن، گرمی، سردی، صحت، بیماری، ہوش، بے ہوشی اس کے لیے چھٹی کا لمحہ کوئی نہیں۔ آدمی کسی حال میں بھی ہے، یہ دھڑکتا رہتا ہے، یہ چلتا رہتا ہے تو ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے۔

انسانی وجود کی تعمیر میں اللہ کریم نے تدریج رکھی ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو وہ نماز روزے کا مکلف نہیں ہے۔ ہوش سنبھالتا ہے سات آٹھ سال کا ہوتا ہے تو حکم ہے کہ اسے نماز وغیرہ سکھانے کی کوشش کریں۔ پیار سے سمجھائیں اور انہیں اس راستے پر لگائیں لیکن جب بالغ ہو جاتا ہے تو پھر وہ مکلف ہے، اب وہ نماز چھوڑے گا تو مجرم ہوگا۔ جب بالغ ہوتا ہے تو اس کا ذہنی شعور بالغ ہوتا ہے۔ چونکہ انسان مکلف ہے، اپنے عقلی، ذہنی شعور سے فیصلے کرنے کا، اللہ نے اسے یہ اختیار دیا ہے، اسے دعوت دیتے ہیں، تعلیم دیتے ہیں۔ اب اس کا اپنا شعور یہ فیصلہ کرتا ہے کہ مجھے یہ کرنا ہے، یہ نہیں کرنا۔ وہ مثبت فیصلہ کرتا ہے یا منفی، اس کا اللہ نے اسے اختیار دیا ہے۔ اسی لیے سب سے زیادہ زور دل پر، قلب پر دیا جاتا ہے کہ اگر یہ ذاکر ہو جائے تو پھر یہ کسی حال میں غافل نہیں ہوتا، ہوش میں ہے، بیہوش ہے، جاگ رہا ہے، سو رہا ہے حتیٰ کہ انسان پہ موت بھی آ جائے تو یہ اللہ اللہ کرتا ہی رہتا ہے، اس کے ذرات بھی اللہ اللہ

کرتے ہیں۔ معرفت کی استعداد جو ہے وہ بھی دل میں ہے۔ اب جدید سائنس تو اس فیصلے پہ پہنچ گئی ہے کہ دل سوچتا ہے، دل سمجھتا ہے، دل جو فیصلے کرتا ہے وہ دماغ کو ماننے پڑتے ہیں اور دماغ چاہے یا نہ چاہے جو دل کہتا ہے وہ کرنا پڑتا ہے، اعضاء وجوارح کو حکم دینا پڑتا ہے۔ ایسا کام ہوتا ہے جو فیصلے دماغ کرتا ہے وہ دل کو پسند آئیں تو اُن پر عمل کی اجازت دیتا ہے، نہ آئیں تو روک دیتا ہے کہ نہیں ایسا نہیں کرنا۔ دل ہی وجودِ انسانی میں مرکزی اور سب سے قیمتی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لیے علوم ظاہری جو ہیں، اب دین کے سارے علوم، الحمد للہ! عبادت ہیں، انہیں پڑھانے والے بھی عبادت کر رہے ہیں، بیان کرنے والے بھی، سننے والے بھی عبادت کر رہے ہیں۔ دین کی بات کرنا، دین کی بات سننا سب عبادت ہے۔ لیکن بڑا المبا راستہ ہے عقل کو قائل کرنے کا۔ عقل کے پاس بھی بڑے بہانے ہوتے ہیں اور مختلف زاویوں سے عقل دیکھتی اور مختلف انداز سے سوچتی ہے اور عقل کو مطمئن کرنا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ ایک آدمی کو آپ لاجواب تو کر سکتے ہیں، باتوں سے، دلائل سے، مطمئن نہیں کر سکتے۔ لاجواب کرنا اور بات ہے، مطمئن کرنا اور بات ہے۔ دل کی بات نرالی ہے، دل کا فیصلہ ہاں ناں میں ہوتا ہے۔ وہ کہتا ہے میں نہیں مانتا، بات ختم ہوگئی۔ یا مانتا ہے تو ہمیشہ کے لیے مان لیتا ہے یعنی دل میں اینچ پینچ اور وہ باتیں نہیں ہیں۔ دل کے فیصلے سیدھے سیدھے ہیں، ہاں یا ناں میں۔ دماغ میں ہزار ترکیبیں آتی ہیں، عقل عیار ہے، بھیس بدل لیتی ہے۔ صاحب دل حضرات جو ہیں وہ ظاہری تبلیغ کم کرتے ہیں، دل پہ متوجہ ہوتے ہیں اور دل مان جاتا ہے تو سارے اعضاء مان جاتے ہیں۔ انبیاءؑ کی برکات جو ہیں وہ دلوں کو ہی روشن کرتی ہیں۔ اب آپ دیکھیے ناں! کہ ظاہری علوم میں تو سارے صحابہ کرامؓ برابر نہیں ہیں۔ بعض نے فقیہہ اُمت کا لقب اختیار کر لیا، بعض ان سے پوچھتے تھے، حالانکہ شاگرد تو براہِ راست سارے نبی کریم ﷺ کے تھے لیکن کیفیات قلبی میں، حفظِ مراتب تو سب جگہ ہیں۔ لیکن صحابیؓ تو ہو گئے شرف صحابیتؓ تو سب کو نصیب ہو گیا اور صحابیت وہ عظیم تر درجہ ہے جو بعد از نبوت ہے۔ جو مرد، عورت، بچے، بوڑھے، پڑھے لکھے، ان پڑھ، امیر، غریب جو بھی، جسے بھی، نبی کریم ﷺ کی نگاہ نصیب ہوئی یا جس کی نگاہ نے وجود مبارک ﷺ کو دیکھ لیا تو ایک نگاہ میں اِدھر سے اُدھر ہو گیا کہ وہ شرفِ صحابیت سے مشرف ہو گیا۔ یہ ایک کیفیت تھی جو دل نے وصول کی، اس میں عقل کی بات نہیں ہے، دل کی بات نہیں ہے، دماغ کی بات نہیں کیفیت تھی جو دل نے حاصل کی اور شرف صحابیت سے سرفراز ہو گئے۔ دلوں کی بات بڑی عجیب، بڑی نرالی ہے لیکن ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ ہم دل تک پہنچتے کم ہیں، ساری عمر دماغ تک رہتے ہیں۔ دماغ کے پاس سوائے وجود کو پالنے کے اور کوئی شعور نہیں ہے یعنی دماغ کی جتنی کاوش ہے وہ بدن کے لیے ہے۔ بدن کو بچانا، گرمی، سردی، دھوپ، دوست، دشمن، تکلیف، ایذاء، بخار، بیماری سے بچانا کیسے ہے، اُسے غذا کون سی چاہیے؟ اسے دوا کون سی چاہیے؟ اسے مال کتنا ملے گا، اس کا لباس کیسا ہوگا، اس کو عہدہ کون سا مل جائے گا، ساری عمر اسی ادھیڑ بن میں رہتا ہے۔ وہ بنا ہی اسی لیے ہے۔ اس کا فنکشن یہی ہے، اس نے یہی کرنا ہے۔ انسان کی بدنصیبی یہ ہے کہ وہ صرف دماغ کے پیچھے لگ جاتا ہے اور وہ دل کی پرواہ نہیں کرتا۔ جن کو اللہ توفیق دیتا ہے وہ قلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ جو پچاس، ساٹھ سال زندگی نصیب ہوئی اس میں چودہ پندرہ سال تو بچپن کے نکل گئے، لڑکپن کے نکل گئے، بلوغت سے لے کر چالیس پچاس سال بچے، وہ بھی روزگار کے بکھیڑوں اور دوستی دشمنی کے بکھیڑوں کی نذر ہو گئے۔ حقیقتاً یہ تھوڑی سی زندگی جو ہے تعمیر آخرت کے لیے ہے اور اللہ اتنے کریم ہیں کہ ضروری نہیں تعمیر آخرت کے لیے کوئی الگ سے شعبہ ہے نماز، روزے کا اور اُسی پر تعمیر آخرت ہوگی۔ جتنی کوئی زکوٰۃ دے گا، جتنا کوئی نماز روزہ کرے گا نہیں، تعمیرِ بدن کے لیے بھی جو کام اللہ کے بتائے ہوئے طریقے اور نبی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کرے گا، وہ تعمیرِ آخرت میں اتنا ہی معاون ہوگا جتنے سجدے معاون ہوں گے۔ یہ آسانی فرمادی ربِ کریم نے کہ صرف دماغ پر نہ رہو، صرف عقل پر نہ رہو، دل کو ساتھ رکھو، دل میں اللہ کو بسا لو، تو تم روزگار حاصل کرنے کے لیے جو محنت کرتے ہو اور روزگار کرتے

ہوئے، جو مشقت کرتے ہو اس میں بھی دیانت داری سے کرو، تمہارا وہ ملازمت کرنا بھی تعمیرِ آخرت کے کام میں آئے گا۔ اسی طرح دنیا کا ہر کام جو ہم کرتے ہیں اگر اُسے اتباعِ رسالت کے دائرے کے اندر رکھیں تو وہ ہر کام تعمیرِ آخرت کا سبب بن جائے گا اور تعمیرِ آخرت کا سبب تب ہی بنتا ہے جب دل صاف ہو۔ بنیادی بات یہ ہے کہ چونکہ دل کی اہمیت اتنی زیادہ ہے اور اللہ کریم نے اسے نیک عمل کا مرکز بنایا ہے اللہ کریم کسی کا ادھار نہیں رکھتے۔ قرآن کریم میں موجود ہے کہ کافر بھی نیکیاں کرتے ہیں۔ اب کافر کا نہ اللہ پر ایمان ہے، نہ رسول ﷺ پر، نہ کتاب پر، نہ آخرت پر جب وہ آخرت کو جانتا نہیں، سمجھتا ہی نہیں تو آخرت کے لیے نیکی کہاں کرے گا؟ کوئی اچھا کام بھی کرے گا تو مراد کوئی دنیوی فائدہ ہوگا، شہرت ہوگی تو قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم کافر کی نیکی بھی ضائع نہیں کرتے، اسے اس کا اجر دنیا میں لوٹا دیتے ہیں۔ وہ اپنا بدلہ پا لیتا ہے لیکن چونکہ آخرت کے لیے تو اس نے کی ہی نہیں تو جب آخرت میں آتا ہے تو خالی ہاتھ ہوتا ہے، کی ہی دنیاوی فائدے کے لیے تھی۔ آخرت کے لیے وہ تب کرتا جب وہ آخرت پر ایمان لاتا۔ آخرت کو تو اس نے مانا ہی نہیں تو وہ آخرت کے لیے کب کرے گا۔ اس سارے میں بنیادی کردار دل کا ہے اور اللہ کریم نے اُسے ابتدا سے لے کر انتہا تک، ساری دنیوی زندگی کی بنیاد بنا دی۔

سوال:

حضرت جی! ایک بڑا عجیب اور دلچسپ سا سوال ہے۔ پوچھنے والے کہتے ہیں کہ جب محمود غزنوی نے یہاں پر حملے کیے اور وہ سومنات کے مندر تک گیا تو وہاں کا کلچر یہ تھا کہ برہمن جو تھے انہوں نے مندر بنا رکھے تھے اور وہاں پر چڑھاوا چڑھاتے تھے۔ برہمن وہ چڑھاوے سارے اکٹھے کر کے بہت امیر ہو جاتے تھے باقی سارے لوگ خدمت کے لیے ہوتے تھے۔ محمود غزنوی نے آ کے وہ سارے مندر توڑے۔ اس کے بعد ایک سیٹ اپ (Setup) شروع ہوا۔ اس کے بعد سوال کرنے والا پوچھتا ہے کہ میں جب دیکھتا ہوں تو میں مندر کو ہٹا کر ایک سائیڈ (Side) پر رکھ دیتا ہوں اور اس کی جگہ میں ایک مزار کو لے آتا ہوں، اب برہمن کو میں ہٹا دیتا ہوں اور وہاں پر ایک پیر کو رکھ دیتا ہوں۔ مجھے اس پیر میں، مزار میں، اس مندر میں اور برہمن میں کلچر کے لحاظ کوئی تبدیلی نظر نہیں آتی اس کی آپ کس طرح سے وضاحت کریں گے؟

جواب:

شرعاً اسلام میں قبر سے دولت کمانے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ قبروں سے چڑھاوے لے کر، اُس کو جمع کرنا اور دولت، قبروں سے پیسے حاصل کرنا، یہ شرعاً حرام ہے یہ کوئی آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے۔ شرعی طور پر آمدن کے جو ذرائع ہیں، وہ چار ہیں۔ ملازمت کرتا ہے، تجارت کرتا ہے، کاروبار کرتا ہے، مزدوری کرتا ہے یا کاشت کرتا ہے۔ پانچواں کوئی ذریعہ آمدن کا نہیں ہے کہ شیرینیاں لے کر کھاتا ہے، نذرانے لے کر کھاتا ہے، قبروں کے چڑھاوے کھاتا ہے۔ میں اس معاملے میں ایک واقعہ سناتا ہوں کہ ایک مشہور گدی ہے، یہ غالباً ساٹھ (60ء) کی دہائی کا واقعہ ہے۔ اس زمانے میں گاڑیاں بہت کم ہوتی تھی، کاریں تو بہت ہی کم ہوتی تھیں بلکہ بسیں بھی بہت کم ہوتی تھیں۔ تو پیر صاحب یہاں تشریف لائے ان کے پاس کار تھی۔ حضرت جیؒ کے پاس آئے کہ مجھے اللہ اللہ سکھائیں۔ اب ہم سال، ڈیڑھ سال سے لگے ہوئے تھے لطائف کرنے میں، وہ آئے، دو تین دن رہے، انہیں حضرتؒ نے لطائف کرا کے تین مراقبات، احدیت، معیت، اقربیت کرادی، مزے کی بات یہ ہے کہ انہیں مشاہدہ بھی ہو گیا ان تین دنوں میں، وہ بتا رہے تھے مجھے احدیت پہ یہ نظر آ رہا ہے، معیت پہ یہ ہے، تو مجھے بڑی حیرت ہوئی کہ اس کا ذریعہ آمدن بھی جائز نہیں ہے، حرام کھانے والا بندہ ہے اور حضرتؒ نے بڑی شفقت فرمائی۔ حکمت سمجھ نہیں آتی کہ کیا بات ہے۔ اللہ بھی بڑا بے نیاز ہے، اس نے بھی اسے مشاہدے کرا دیئے تو چوتھے دن جب وہ رخصت ہونے لگا تو حضرتؒ نے فرمایا! کہ پیر صاحب آپ کی کمائی کا جو ذریعہ ہے، وہ درست نہیں ہے۔ قبروں پر سے چڑھاوے کھانا شرعاً حرام ہے اور حرام کھا کر اللہ اللہ نہیں ہوتی۔ دل سیاہ ہو جاتا ہے تو اب آپ کو دو میں سے ایک کا انتخاب کرنا ہوگا آپ قبر کی آمدنی کھائیں گے یا یہ اللہ اللہ کریں گے اور اگر تو

آپ کا انتخاب اس طرف آ گیا تو پھر میرے پاس آ جائے گا اور اگر اُس طرف چلا گیا تو پھر آنے کی تکلیف نہ کیجئے گا۔ وہ چلا گیا تو مجھے فرمانے لگے، تمہیں تجسس تو ہے، میں نے اللہ سے دعا کی تھی کہ اسے کچھ دکھا دے کہ یہ نہ کہے کہ انہوں نے محض ایک شور مچا رکھا ہے، پراپیگنڈہ کر رکھا ہے۔ کھاتا تو یہ حرام ہے لیکن تُو قادر ہے، اسے دلیل کے لیے تُو دکھا دے تو پھر انتخاب اس پر ہے۔ یہ قبروں سے آمدنی جمع کرنا اور کھانا یہ ویسا ہی ہے جیسے برہمن بتوں سے کھاتے تھے، اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ شرعاً حرام ہے۔ اب کوئی دلیل نہیں ہے کہ اکثر لوگ یہ کرتے ہیں۔ اکثریت کا کسی بات پر ہونا، کوئی دلیل نہیں ہے۔ دلیل یہ ہے کہ حق پر کون ہے؟ تو سوال کرنے والے کی بات درست ہے کہ مسلمانوں نے اس کی جگہ لے لی۔ شرعی طریقے سے ہر ایک کو اپنی مزدوری کرنی چاہیے۔ اپنی محنت، اپنا مجاہدہ کرنا چاہیے۔ اپنا رزق حلال وسائل سے حاصل کرنا چاہیے۔ دوسرے پر رزق کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہیے۔ یہ درست نہیں ہے۔ ان کا خیال ٹھیک ہے لیکن اب مصیبت یہ ہے کہ اس کام کے کرنے والے تو بہت ہیں، کوئی محمود غزنوی نہیں ہے۔ یہ درست ہے، قبروں کی آمدنی جائز نہیں ہے۔ قبریں پختہ کرنا اور ان پر لاکھوں اور کروڑوں روپے لگا کر گنبد بنانا اور مزار بنانا یہ سارا شرعاً ناجائز ہے۔ قبر کا سادہ رکھنا، قبر کو پختہ بھی نہ کرنا ضروری ہے لیکن اگر یہ اندیشہ ہو کہ زمین ایسی ہے یا مٹی ایسی ہے کہ قبریں مٹ جائیں گی تو چند پتھر جوڑ دیئے جائیں۔ یہ کافی ہے کہ قبر کا نشان باقی رہے۔ لیکن فضول خرچی کرنا اور پھر ان پر کروڑوں روپے خرچ کر کے مقبرے بنانا، یہ سارا شرعاً درست نہیں، اس کا کوئی شرعاً جواز نہیں ہے۔

سوال:

جس دور میں یہ گنجائش دی گئی کہ سفر میں روزہ نہ رکھا جائے اس وقت سفر بہت کٹھن ہوتا تھا۔ اب آج کل تو اگر آپ نے بیرون ملک بھی جانا ہے تو اتنا آرام دہ سفر ہے کہ اس میں وہ مسئلہ نہیں ہے تو اس حوالے سے کیا آج کے دور میں وہ چیز لاگو ہوتی ہے؟

جواب:

اسلام اللہ کا دیا ہوا دین ہے اور یہ اپنے نزول سے لے کر قیامت تک کے لیے نافذ ہے اور قابل عمل ہے۔ اس کے احکام ایسے ہیں کہ دنیا میں کتنے انقلابات آئے ہیں، کتنی تہذیبیں بدلیں، کتنی نسلیں بدل جائیں ہر عہد کے سوال کا جواب اس میں موجود ہے۔ اب اس عہد میں بھی جب قرآن نے سفر پر یا بیماری میں رخصت دی روزے کی تو سفر کی حد دور رکھی گئیں۔ نماز جس میں قصر ہو، عموماً علماء فرماتے ہیں کہ کم از کم پنتالیس (45) میل ہو۔ اڑتالیس (48) میل ہو یا کم از کم پنتالیس (45) میل ضرور ہو تو اُس میں نماز قصر ہوتی ہے۔ جہاں نماز قصر ہو اُس میں روزہ قضا کرنا اجازت ہے، گناہ نہیں ہے۔ روزہ نہ رکھے بعد میں رکھ لے، قضا کر لے لیکن وہاں یہ بھی فرما دیا گیا وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ (سورۃ البقرہ: 184) قضا کرنے کی اجازت ہے لیکن اگر تم روزہ رکھو تو وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اس وقت بھی یہی تھا کہ اگر کوئی ایسا بندہ ہے جو اس کٹھن سفر میں بھی روزہ رکھ سکتا ہے تو اس میں روزہ رکھنا بہتر ہے۔ آپ اندازہ کیجئے کہ رمضان شریف کا جو روزہ قضا ہوتا ہے وہ کبھی پھر رمضان میں اُس کی قضا ادا نہیں ہوتی، غیر رمضان میں ہمیشہ اس کی قضا ہوتی ہے۔ رمضان کی فضیلت اپنی ہوتی ہے، رمضان جب آتا ہے تو اس کے اپنے روزے فرض ہو جاتے ہیں۔ اس میں تو قضا نہیں ہوتی تو اس وقت بھی یہ حکم دے دیا گیا کہ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ آج بھی وہی حکم ہے اگر آپ ہوائی جہاز میں جا رہے ہیں اور روزہ رکھ سکتے ہیں تو قضا نہ کریں، روزے کا رکھنا بہتر ہے لیکن بعض لوگ ہوتے ہیں جنہیں ہوائی جہاز کے سفر میں بھی تکلیف ہو جاتی ہے۔ کسی کا دل خراب ہو جاتا ہے، کسی کا سَر چکرا جاتا ہے اور اس طرح کی کوئی نفسیاتی بیماریاں ہوتی ہیں، کئی جسمانی بیماریاں ہوتی ہیں، کسی کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو وہ قضا کر لے لیکن فرمایا! قضا نہ کرو تو بہتر یہی ہے۔ روزہ رکھنا باعثِ ثواب ہے، درجہ ہے اس کا، لیکن اگر کوئی سمجھتا ہے کہ میں نہیں رکھ سکتا تو قضا کر لے اس کی بھی گنجائش موجود ہے۔

سوال:

عید کے دن روزے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایسے ہے جیسے شیطان نے روزہ رکھا۔ ہمارے ملک کے اندر دو عیدیں ہیں تو اس کا

مطلب یہ ہے کہ آدھے لوگ شیطان ہیں کیا؟

جواب:

گزارش ہے کہ دونوں عیدوں پر روزہ رکھنا، عید کے دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ جو لوگ سارا سال روزہ رکھتے ہیں ایک لفظ ہے، صائم الضحیٰ ہمیشہ روزہ رکھنے والے، جو بندہ سارا سال روزہ رکھتا ہے، وہ بھی دونوں عیدوں پر روزہ نہیں رکھتا کیونکہ عید کے دن روزہ رکھنا ممنوع ہے۔ عید کے دن، فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز بھی نہیں ہوتی۔ فجر کی نماز کے بعد پھر عید کی ہی نماز پڑھے گا۔ جو لوگ ہمیشہ اشراق پڑھتے ہیں عید کے دن نہیں پڑھتے۔ ایک شخص کو حضرت علیؓ نے دیکھا کہ وہ عید کی نماز کے لیے گیا لیکن عید گاہ میں نوافل پڑھ رہا تھا عید کی نماز سے پہلے، تو آپ رک گئے۔ اس نے سلام پھیرا تو آپؓ نے فرمایا تمہارے جہنم جانے کے لیے تمہارے یہ نفل ہی کافی ہیں کیونکہ حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ عید کے دن، عید کی نماز سے پہلے کوئی نماز نہیں ہوگی۔ تم نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کر رہے ہو خواہ نفل پڑھ رہے ہو، نافرمانی تو نافرمانی ہی ہے، یہ تو دوزخ جانے کا سبب بن سکتی ہے۔ روزہ تو بہت بڑی بات ہے، عید کی نماز سے پہلے اُنہیں نفل پڑھتے دیکھ کر آپؓ نے فرمایا کہ تمہارے جہنم جانے کے لیے، تمہارے یہ نفل کافی ہیں۔ اسلام ان ضابطوں اور اصولوں کا نام ہے جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمائے تو اپنی مرضی سے ہم فیصلے نہیں کر سکتے، ہمیں وہ فیصلے قبول کرنے ہیں جو حضور ﷺ نے فرمائے۔

سوال:

ملک میں بعض جگہ ایک دن اور دوسری جگہ دوسرے دن، چاند نظر آتا ہے تو جہاں پر پہلے نظر آجاتا ہے ہوسکتا ہے وہاں چاند نظر نہ آیا ہو لیکن انہوں نے روزہ نہ رکھا ہو اور ممکن ہے کہ دوسرے حصے میں نظر آگیا ہو اور انہوں نے روزہ رکھ لیا ہو تو اس دن عید ہو تو پھر تو روزہ رکھنا حرام ہو گیا؟

جواب:

اگر غلطی سے رکھا گیا ہو تو جیسے ہی اطلاع ہو اُسے افطار کر ڈالیں۔ اطلاع نہیں ہے کہ چاند ہو گیا ہے اور رمضان سمجھ کر روزہ رکھ لیا تو اگر رکھ لیا تو جیسے ہی اطلاع ہو، جس وقت اطلاع ہو، اُس وقت روزہ ختم ہو جائے گا پھر وہ گناہ نہیں۔ اس بات پہ روزہ رکھنا کہ ہوسکتا ہے چاند ہو یا نہ ہو یہ حرام ہے، یہ منع ہے۔ صوموا برؤیتکم و افطروا برؤیتکم او کما قال رسول ﷺ۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ چاند کو دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند کو دیکھ کر افطار کرو۔ اب یہاں بادل ہیں چاند نظر نہیں آیا، کوئی ساتھی ہمیں پنڈی سے فون کر دیتا ہے کہ جی چاند نظر آگیا تو اطلاع ہوگئی، وہ ایسا ہی ہو گیا جیسے ہم نے دیکھ لیا، خبر ہوگئی۔ ایک یہ ہوتا ہے کہ آج چاند نظر نہیں آیا تو پتا نہیں کل روزہ ہے کہ نہیں؟ تو لوگ کہتے ہیں کہ احتیاط یہ ہے کہ رکھ لو اگر نہیں ہوا تو روزہ ہی ہے، وہ حرام ہے وہ رکھنا جائز نہیں۔ اس شبے میں روزہ رکھنا کہ شائد کل ہوسکتا ہے رمضان ہو، یہ حرام ہے۔ جب تک آپ کے پاس چاند کی اطلاع نہ ہو، بے شک ایک روزہ قضا ہو جائے، کوئی حرج نہیں، اسے شوال میں قضا کرلیں۔ لیکن اس شبے میں روزہ رکھنا جائز نہیں ہے نہ اس شبے میں افطار جائز ہے، یقینی علم ہونا چاہیے، یہ عموماً عید پر ہوتا ہے۔ جب ہم چھوٹے تھے تو یہ عموماً ہوتا تھا۔ آج کل ٹیلی ویژن، ٹیلی فون بہت سے ذرائع ہیں تو اس وقت نہ ٹیلی فون ہوتے تھے نہ ٹیلی ویژن۔ عموماً صبح بزرگ روزہ رکھ لیتے تھے اور جب دوپہر ہوتی تھی تب خبر پہنچتی تھی کہ عید ہوگئی تو اُسی وقت افطار کر لیتے تھے۔ اپنے عید کے کپڑے پہن لیتے، نماز کا وقت ہوتا تو نماز پڑھتے تھے اور بیبیاں کھانے پکانے شروع کر دیتی تھیں تو اس کی یہ حیثیت ہے۔

سوال:

جنرل مشرف کے دور میں رویت ہلال کمیٹی کو رات گیارہ بجے چاند نظر آیا اور انہوں نے اعلان کر دیا کہ کل عید ہے تو پتا نہیں گیارہ بجے کون سا چاند نظر آیا؟

جواب:

نہیں جی! رویت ہلال کمیٹی کا یہ ہے کہ چاند انہیں نظر نہیں آتا یہ شہادتیں جمع کرتے رہتے ہیں۔ کہاں سے ٹیلی فون آیا، کس نے دیکھا پھر اُس شہادت کی چھان پھٹک پر وقت لگتا ہے کہ جس نے دیکھا ہے وہاں جو مقامی رویت ہلال کمیٹی ہے وہ اس کو انٹرویو کرلے اور اس کی شہادت کو جانچے کہ وہ بندہ کیسا ہے، قابل اعتماد ہے یا نہیں، ایک ہے یا

دو ہیں یا چار ہیں۔ وہ شہادتیں لینے میں اور چھان پھٹک کرنے میں وقت لگ جاتا ہے۔ وہ بھی چونکہ ٹیلی فون کے ذریعے یہ سارا کر لیتے ہیں تو گیارہ بجے تک بھی ہو جاتا ہے اس میں کوئی ہرج نہیں۔ ہرج یہ ہے جس طرف کسی کی توجہ نہیں ہے کہ چاند کی رینج (Range) ہیں، جس میں چاند (Effective) ہے یعنی روئے زمین پر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف جگہوں پر دن ہوتا ہے مختلف جگہوں پر رات ہوتی ہے۔ سورج کا بھی اثر ایک حد تک ہے، آگے آگے چلتا جاتا ہے تو آگے آگے صبح ہوتی جاتی ہے، پیچھے شام ہوتی جاتی ہے اسی طرح چاند بھی جہاں نظر آتا ہے اس کے رینج (Range) ہیں کہ کتنے حصے میں، جس حصے پر وہ نظر آسکتا ہے وہ اس کا رینج ہے جو حصہ پیچھے رہ گیا، جس میں اُس کے نظر آنے کا امکان ہی کوئی نہیں اس میں عید نہیں ہوگی۔ ان کو چاہیے کہ زمین پر یہ رینج مقرر کر دیں۔ امریکہ میں انہوں نے چوبیس گھنٹوں کے چھ رینج بنائے ہوئے ہیں یعنی آپ کو نیویارک یا ایسٹ امریکہ سے ویسٹ پوسٹ جاتے ہوئے، چھ ٹائم زون (Time Zone) ملتے ہیں اور ان کے نقشے آپ کو ملتے ہیں۔ امریکہ کے ٹائم زون کا نقشہ لیں تو اس میں لکیریں پڑی ہوں گی کہ یہاں سے یہاں تک یہ ٹائم ہوگا، یہاں سے یہاں تک یہ ٹائم ہوگا۔ ہمیں اب چاند کے بھی زون مقرر کرنے چاہئیں کہ اگر کراچی میں چاند نظر آیا تو وہ کہاں تک مؤثر ہے اور کون سے شہر ایسے ہیں جن میں کراچی سمیت نظر آسکتا ہے اور کن میں نہیں آسکتا۔ اب لاہور اور کراچی کے ٹائم میں آدھے گھنٹے کا فرق ہے۔ اگر لاہور میں چاند کی عمر اتنی ہے کہ اُسے نظر نہیں آنا چاہیے تو پھر کراچی کے چاند پر لاہور میں عید کیسے ہوئی؟ تو اب عید کا جھگڑا اس طرح ختم ہوتا ہے کہ اُن کے زون بنا دیئے جائیں۔ لاہور میں چاند نظر آیا تو کتنے (Area) میں وہ (Effective) ہوگا۔ اس سے ویسٹ (West) کو فرق تو ہوگا، ایسٹ (East) میں جو رہ رہے ہیں ان کو Effect نہیں کرے گا کیونکہ مغرب (West) میں تو اس کی عمر زیادہ ہوتی جائے گی، ایسٹ میں کم ہوگی۔ اب کراچی میں چاند نظر آیا تو ایسٹ میں کہاں تک اس کا دائرہ ہے اور کہاں تک امکان تھا کہ وہ نظر آسکتا تھا وہاں تک عید ہوگی دوسرے روزہ رکھیں گے۔ اب یہ زون مقرر ہونے چاہئیں تھے، پتا نہیں یہ کیوں نہیں کرتے؟ شائد اس طرف کسی کی توجہ ہی نہیں تو شبے میں روزہ رکھنا، یہ جائز نہیں بے شک روزہ قضا ہو جائے، قضا کر لیں۔

سوال:

تصوف و سلوک جزو دین ہے لیکن سخت پیچیدہ کیوں ہے؟ یعنی شیخ کامل کا تلاش کرنا، انوارات کیا ہیں؟ مقامات کیا ہیں؟

جواب:

انسانی مزاج ایسا ہے کہ جس طرف وہ توجہ نہیں کرتا وہ کام ہمیشہ اُسے ناممکن نہیں تو بہت مشکل نظر آتا ہے۔ پہلے تو یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے۔ یہ تو آپ نے بڑی رعایت کی کہ پیچیدہ لکھا۔ انسانی مزاج ایسا ہے کہ وہ جس طرف توجہ نہیں کرتا نہ کرنا چاہتا ہے، کہتا ہے، یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن اللہ کریم نے اسے بڑا سہل کر دیا ہے اور سب سے سہل ہے یہ فرمایا: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ (العنکبوت:69) فِيْنَا ذرا اس پر غور فرمایئے یہ تصوف ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا جو میری ذات میں، میری تلاش میں، مجھے پانے کے لیے محنت کرتے ہیں لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۭ ان کے لیے ہم اپنے راستے کھول دیتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کریم کیسے راستے کھولتے ہیں عالم اسباب میں؟ تو وہ فرماتے ہیں کہ ایسے بندے کے پاس پہنچا دیتے ہیں جو پہلے سے معرفتِ الٰہی سے سرشار ہوتا ہے۔ اب مشکل تو اپنا فیصلہ ہو گیا ناں؟ یہ کام تو مشکل نہ رہا۔ تصوف پیچیدہ نہ رہا۔ پیچیدہ ہمارا اپنا فیصلہ ہے۔ جو تہہ دل سے اپنا فیصلہ کر لیتا ہے، اللہ کریم کسی نہ کسی طرح اسے ایسے بندوں سے ملوا دیتا ہے جو اس راہ کے مسافر ہوتے ہیں لیکن یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ بندہ اتنا مصروف ہوتا ہے دنیا میں کہ وہ دین کو زیادہ سے زیادہ پانچ نمازوں تک محدود کر دیتا ہے یا زکوٰۃ اور رمضان تک یا عمرے اور حج تک بلکہ اب تو عمرے بھی دین کے لیے نہیں بلکہ دنیا کے لیے کیے جاتے ہیں۔ دین کے لیے ہوتے تو اس کی شرائط فرضِ عین ہیں۔ اس کی شرائط یہ ہیں کہ بیت اللہ تک جانے کی استطاعت رکھتا ہو، اتنی فرصت ہو کہ جتنا عرصہ وہاں جانا

ہے پیچھے کوئی نقصان نہیں ہوگا کوئی رکاوٹ نہ ہو، کوئی بیماری نہ ہو۔ جو بندہ عمرے کے لیے جاتا ہے یہ ساری شرطیں پوری ہوتی ہیں تو جاتا ہے ناں۔ پھر تو اس پر حج فرض ہوگیا استطاعت ثابت ہوگئی۔ لیکن لوگ عمرے کرتے ہیں حج نہیں کرتے۔ عمرے دس دس کرتے ہیں۔ فرض پورا کرنا ہوتا تو حج کرتے، عمرے تو لوگوں کو دکھانے کے لیے کرتے ہیں۔ اللہ کی اطاعت کرتے تو پہلے حج کرتے پھر نفلی عمرے کرتے رہتے کیونکہ عمرہ تو نفل ہے حج تو فرض ہے۔ اب جب یہاں سے گیا بھی، مکہ مکرمہ بھی پہنچا، مدینہ منورہ بھی گیا، وقت بھی لگایا، خرچ بھی کیا تو اس کا مطلب ہے استطاعت اور فرصت ساری ثابت ہوگئی تو اس پر حج فرض عین ہوگیا۔ لیکن اس کے باوجود لوگ حج نہیں کرتے عمرے کرتے ہیں۔ اب تو لوگوں نے دین کو بھی دنیاوی شہرت کا ایک ذریعہ بنالیا ہے کہ میں نے اتنے عمرے کیے، میں ہر سال جاتا ہوں، میں یہ ہوں۔ میں وہ ہوں۔ دین کو دین سمجھ کر کیا جائے اور دل میں قربِ الٰہی کی جستجو پیدا ہوجائے اور اس میں جان ہو، وہ سچی ہو، تو اللہ کریم راستے سہل کر دیتے ہیں۔ انوارات کیا ہیں؟ مقامات کیا ہیں؟ یہ اس راہ کی کیفیات ہیں۔ کیفیات نہ لکھی جاتی ہیں، نہ پڑھی جاتی ہیں، نہ بولی جاتی ہیں، نہ سنی جاتی ہیں کیفیات محسوس کی جاتی ہیں۔ کیفیات کو پایا جاسکتا ہے لیکن ہر بندے کو اپنی حیثیت کے مطابق، ہر مقام پر کیفیت نصیب ہوتی ہے۔ پندرہ بندے کھڑے ہیں تو پندرہ کی، ایک کیفیت نہیں ہوتی، پچاس ہیں تو پچاس کی کیفیت ایک سی نہیں ہوتی اور یہ آپ ظاہر میں بھی دیکھ لیں۔ جب ہم نماز باجماعت ادا کرتے ہیں تو بہت سے اس کے فوائد میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ ہر متنفس کا ایک ذاتی تعلق ہے رب العالمین کے ساتھ۔ دوسرے کا الگ ہے، تیسرے کا معیار الگ ہے، چوتھے کا الگ ہے تو اگر دس بندے کھڑے ہیں تو دس طرح کا تعلق ہے ان کا اللہ کریم کے ساتھ۔ دس طرح کی رحمتیں نازل ہورہی ہیں تو جب رحمتیں نازل ہوتی ہیں تو وہ ابر باراں کی طرح سب پہ برستی ہیں تو گویا دس بندوں پر دس مختلف طرح کے انوارات برس رہے ہیں، ان سے دس ہی مستفید ہورہے ہیں تو یہ ایک فائدہ ہوگیا نماز باجماعت کا۔ اس لیے حضور ﷺ نے اس کی تلقین فرمائی ہے۔ پچاس ہیں، سو ہیں، دو سو ہیں، ہزار ہیں، دس ہزار ہیں جتنے بڑھتے جائیں گے اتنی نسبتیں بڑھتی جائیں گی اور اتنے مختلف انداز رحمتِ الٰہی کی بارش کے ہوتے جائیں گے۔ اسی طرح جتنے دل ذاکر ہوتے ہیں ہر دل کا تعلق اپنا ہوتا ہے۔ اس کا ایک اپنا رنگ، ایک اپنی کیفیت ہوتی ہے اور اسی طرح کے اس پر رنگ، روشنیاں، انوارات، برکات آتی ہیں۔ اسی لیے مل کر ذکر کرنے میں بھی زیادہ برکت ہوتی ہے اور زیادہ لوگوں کے بیٹھ کر ذکر کرنے میں بھی زیادہ برکت ہوتی ہے کہ مختلف قسم کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں تو پھر جب نازل ہوتی ہیں تو جتنے بیٹھے ہیں سب پہ برستی ہیں۔

سوال:

حضرت جیؒ نے جن مقامات کی نشاندہی کی، متقدمین صوفیاء نے کیوں مخفی رکھا؟

جواب:

بھئی! اصل بات یہ ہے کہ اس موضوع پر آپ کا مطالعہ نہیں ہے۔ مخفی رکھنے والی بات نہیں ہے لوگوں نے اتنا لکھا کہ علماء ظواہر نے اُن پر کفر کے فتوے لگائے اور اتنا لکھا کہ لوگوں کے سر چکرا گئے۔ جو لوگ اس شعبے کو نہیں سمجھتے تھے انہوں نے ان پر، ابن عربیؒ جیسے لوگوں پر بھی فتوے لگے اور ابھی تک بھی لگتے جارہے ہیں، ایسے عجیب لوگ تھے کہ فتوحات مکیہ پر، ان پر فتوے لگے۔ وہ کتاب انہوں نے لکھ کر بیت اللہ شریف کی چھت پر پھینک دی تھی اور صدیوں بعد کسی نے اتاری تو بارشیں بھی برستی رہیں، دھوپ بھی اور بادل بھی اور ہوائیں بھی چلتی رہیں۔ قلم سے لکھی گئی کتاب خراب نہیں ہوئی۔ اس کے باوجود اس پر فتوے بھی لگتے رہے اور بے شمار لوگوں نے باتیں کیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت یہ ہے کہ انہوں نے راہ سلوک کے منازل بتائے، دائیں بائیں کی باتیں انہوں نے نہیں کیں۔ ورنہ "مالا بُدَّ قبلَ قیامۃ" ایک کتاب ہے، آپ اُسے دیکھیں یعنی قیامت سے پہلے کیا کیا وقوع پذیر ہوگا اور ضرور ہوگا، لابُدَّ یعنی یقینی طور پر ضرور ہوگا۔ تو اس میں انہوں نے نقشہ بیان کیا ہے، وہ کہتے ہیں روشنی سوا نیزے پہ لٹک

رہی ہوگی۔ یہ آپ کی سٹریٹ لائٹ جو آج جلتی ہیں، یہ اُس زمانے میں وہ لکھ رہا ہے۔ وہ اُس زمانے میں 'مالا بُدَّ قبل قیامۃ ''میں لکھتے ہیں کہ سواریاں ایسی ہوجائیں گی جو کھانے پینے والی نہیں ہوں گی یعنی زندہ جانور نہیں ہوں گے لیکن مہینوں کی مسافت ساعتوں میں، گھنٹوں میں طے کریں گے۔ اب انہوں نے ہزار بارہ سو سال پہلے آپ کا ہوائی جہاز دیکھ لیا۔ اس میں اور بہت سی ایسی باتیں ہیں کہ بندہ حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ لوگوں نے اِدھر اُدھر کی باتیں تو بہت کیں لیکن مقامات سلوک کی نشاندہی، بہت کم لوگوں نے کی۔ متقدمین حضرات نے کی، ایسا نہیں کہ نہیں کی، کتابیں بھری ہوئی ہیں، تو وہ دو طرح سے ہوسکتی ہے۔ دوسری بات جو زیادہ ثقیل ہے اور شائد ہضم نہ ہوسکے لیکن آپ نے پوچھا تو میں بتا دیتا ہوں۔ جب سے تاریخ تصوف شروع ہوتی ہے۔ ''خیر القرون'' کو چھوڑ دیجیے ان کا تو کوئی مثل نہیں، کوئی ثانی نہیں۔ تو صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین تک تو یہ خیر القرون کے لوگ ہیں اور یہ انہی کی قسمت میں تھا بعد میں وہ نعمت کسی کو نہیں ملی۔ جہاں سے تاریخِ تصوف شروع ہوتی ہے اس میں بڑے بڑے عظیم اللہ کے بندے ہوئے لیکن جو مقامات تصوف کے حضرت رحمۃ اللہ کو نصیب ہوئے، چودہ صدیوں میں ایک بندہ بھی ایسا نہیں گزرا۔ یہ بڑی مشکل بات ہے اسے ہضم کرنا۔ کیفی دلیل جو ہے وہ تو ہر بندے کے نصیب میں نہیں ہے ظاہری دلیل میں آپ کے سامنے رکھ دیتا ہوں، آپ خود فیصلہ کر لیجیے۔

حضور ﷺ کی خدمت میں جو حاضر ہوا صحابیؓ ہوگیا بغیر کسی قید کے، وہ عورت ہے، مرد ہے، بچہ ہے، بوڑھا ہے، پڑھا لکھا ہے، ان پڑھ ہے۔ عقل سلامت ہے، بندہ زندہ ہے، ایک لمحہ زندہ رہا، نگاہِ مصطفوی ﷺ میں آ گیا صحابیؓ ہوگیا، اگلے لمحے مرگیا، صحابیؓ کی موت ہے۔ وہ صحرائی ہے، بدوی ہے، شہری ہے، امیر ہے، فقیر ہے، بادشاہ ہے یا گداگر ہے، مرد ہے یا عورت ہے، بچہ ہے بوڑھا ہے جو پہنچا، تابعی ہوگیا۔ درجے الگ ہیں۔ صحابہؓ کے بھی اپنے اپنے مراتب ہیں، تابعینؒ کے بھی اپنے اپنے مقامات ہیں، سب اچھے ہیں، بعض اچھوں میں اور بھی اچھے ہیں۔ تبع تابعینؒ کے بعد یہ نعمت ختم ہوگئی، محدود ہوگئی۔ بڑے بڑے عظیم صوفیاء کو دیکھیں تو دو چار بندوں کی تربیت کردی، باقی کو ظاہری اصلاح تک رکھا، باطنی تربیت مخصوص اور چند بندوں کی کی۔ کیا وجہ ہے کہ ایک شخص نے، پندرہویں صدی میں آکر جو اس کے پاس آیا وہ ذاکر ہوگیا؟ ہمارے ہاں مساجد میں پانی بھرنے والے لوگ جو رکھے جاتے ہیں، میں نے زندگی میں دیکھا ہے کہ سب سے زیادہ بے نماز وہی ہوتے ہیں۔ عموماً گاؤں کے ماچھی یا مصلی ذات کے لوگ ہوتے ہیں، ان کے ذمہ لگا دیتے ہیں کہ تمہیں یہ یہ دیں گے، تم مسجد میں پانی بھر دیا کرو۔ میں نے کم ہی دیکھا ہے، کبھی وہ نماز بھی پڑھتے ہوں، یہ بڑا شاذ ہے۔ مسجد میں پانی کے مٹکے بھر کے چلے جاتے ہیں۔ حضرتؒ کی مسجد میں پانی بھرنے والے ماشکی کو میں نے فنافی الرسول ﷺ دیکھا۔ یہ میرا مشاہدہ ہے کہ جو مٹکے میں پانی بھرا کرتا تھا وہ فنافی رسول ﷺ تھا۔ ایک دن مسجد میں اکیلا بیٹھا لطائف کر رہا تھا تو کہیں سے کوئی سانپ نکل آیا۔ اب وہ ذکر میں سر ہلا رہا تھا تو سانپ نے ڈنگ مارنے کی کوشش کی تو اسے کوئی چیز اس طرح لگی تو اس نے کہا، کیا بکواس کرتا ہے؟ میرا وقت ضائع کرتا ہے، دفع ہوجا، کوئی اپنا کام کر یعنی اُسے نہ کوئی ڈر لگا، نہ وہ گھبرایا، الٹا سانپ کو اس نے جھڑک دیا کہ کیا مجھے پریشان کر رہا ہے؟ جا بھاگ جا۔ اللہ کی شان کہ سانپ بھاگ گیا۔ اب وہ شخص مسجد میں پانی بھرا کرتا تھا تو آپ یہ ظاہری دلیل تو دیکھ سکتے ہیں۔ بڑے بڑے عظیم نام ہیں اور اللہ ان پر کروڑوں رحمتیں فرمائے، واقعی عظیم انسان بھی تھے۔ اللہ کے مقرب بندے بھی تھے۔ ہر ایک کے مقامات اپنے ہیں، عزت اپنی ہے، رتبہ اپنا ہے، سب اچھے ہیں۔ اہل اللہ کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ فلاں فلاں سے کم ہے۔ یہ قانون جو انبیاءؑ کے لیے ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ م (البقرۃ:253) یہ رسولوں کی جماعت ہے، ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ قرآن نے یہ انداز نہیں اپنایا کہ بعض بعض سے کم مرتبے والے ہیں، نہیں! بعض کو بعض پر، سب صاحبِ فضیلت ہیں، بعض اُن میں اور بھی فضیلت رکھتے ہیں۔ یہی

قانون اولیاء اللہ پر لاگو ہوتا ہے کہ سب اچھے ہیں، بعض اچھوں میں اور بھی اچھے ہیں۔ ایک ایک ہستی نے روئے زمین پر انقلاب پیدا کر دیا۔ ایک ایک بندے کی وجہ سے مخلوق تائب ہوئی اور رجوع الی اللہ ہوئی اور صدیوں تک، آج تک، اُن کے اثرات جا رہے ہیں۔ لوگ اپنے آپ کو اُن کے نام سے منسوب کرتے ہیں، میں قادری ہوں، میں چشتی ہوں۔ انہوں نے شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو یا معین الدین چشتیؒ کو دیکھا ہے یا اُن کا زمانہ پایا ہے؟ یعنی اُن کی وہ قوت ابھی تک آ رہی ہے۔ عظیم شخصیات تھیں لیکن تبع تابعین کے بعد جس کی مجلس میں آنے والا ہر بندہ، مرد، عورت ذاکر ہو جائے وہ آپ کو حضرت جیؒ ملیں گے، درمیان میں کوئی ہستی نہیں۔ یہ اللہ کی عطا ہے جس پر وہ کرتا ہے۔ اس لیے جن مقامات کو نشاندہی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کی، وہ حضرت ہی کو کرنی چاہیے تھی۔ یہ اپنے اپنے مقام کی بات ہے۔

سوال:

کیا تعویز یا دم کی اجرت لینا جائز ہے؟

جواب: تعویز یا دم کر کے اجرت لینا شرعاً جائز ہے۔ اس لیے کہ وہ اجرت دم یا تعویز کی نہیں، اجرت علاج کی ہوتی ہے۔ جس طرح طبیب پیسے لیتا ہے، جس طرح ڈاکٹر پیسے لیتا ہے، اگر کوئی تعویز دے کر یا پھونک مار کر مرض ٹھیک کرنے کی استطاعت رکھتا ہے، اگر وہ اللہ کے نام پر کرے تو بہت اچھی بات ہے لیکن اس کی اجرت لے لی جائے تو اس پر شریعت منع نہیں فرماتی۔ قبر میں کونسا تعویز دفن ہے؟ قبر پر شیرینیاں جمع کرنا حرام ہے۔ کسی کو بعض لوگ دم کرتے ہیں، سانپ کاٹ جاتا ہے وہ پھونک مارتا ہے، بندہ ٹھیک ہو جاتا ہے، اب کہتا ہے مجھے فیس دو، جائز ہے۔ علاج کیا ناں! علاج کی اجرت حکیم بھی لیتا ہے، ڈاکٹر بھی لیتا ہے، اُس نے بھی لے لی۔ اگر فی سبیل اللہ کرتا ہے تو اللہ اُسے اجر دے گا اور اگر فیس لیتا ہے تو جائز ہے۔ تعویز جائز، اللہ کا کلام لکھ کر دے۔ ناجائز ہے ایسے کلمات لکھنا جن کے مفہوم سے آپ کو اطلاع نہ ہو، وہ بھی حرام ہے۔ کیا پتا اس میں کفریہ کلمات ہیں یا کیا ہیں؟ جب تک آپ کو مفہوم نہ آتا ہو، وہ تعویز نہ لیں۔ اللہ کا نام لکھ کر دیتے ہیں، اس سے اگلے کو شفا ہو جاتی ہے تو وہ اگر اجرت لیتا ہے تو جائز ہے، فی سبیل اللہ کرتا ہے تو اسے اجر ملے گا۔ اسے قبر پر شیرینیاں وصول کرنے میں گڈمڈ نہ کریں۔ یہ الگ بات ہے وہ الگ بات ہے۔

سوال:

یہ فرمایئے کہ کیا کائنات میں مادیت کے نظام کی طرح روحانیت کا نظام بھی عمل پیرا ہے؟ جس میں مادیت کا دخل نہ ہو سکے؟

جواب:

میرے بھائی حق یہ ہے کہ مادیت، روحانی نظام کے تابع ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم جان سکیں یا نہ جان سکیں۔ جو نظام روحانی چل رہا ہے وہ بہت مضبوط ہے اور مادی زندگی میں بھی اس کے اثرات اتنے گہرے ہیں کہ جو اس نظام سے کٹ کر کفر کی گود میں چلا جاتا ہے اس کے حالات بدل جاتے ہیں، اور سے ہو جاتے ہیں۔ جس میں ایمان تو ہے لیکن عمل میں کمی ہے اس کے حالات اور سے ہوتے ہیں۔ جس میں ایمان بھی ہے، عمل بھی ہے، بارش ایک سی برستی ہے سب پر، گرمی سردی ایک سی ہوتی ہے، جو اُن کی محسوسات ہوتی ہیں، بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ ایک بندہ بادشاہ ہو کر بھی گھبرا رہا ہوتا ہے اور ایک بندہ فقیر ہو کر مزے کر رہا ہوتا ہے۔ بات تو احساسات کی ہے ناں! احساسات یا جو چیزیں ہم محسوس کرتے ہیں، وہ روحانی نظام کے تابع ہوتی ہیں کہ ہمارا اس کے ساتھ کتنا تعلق ہے، کتنا مثبت ہے یا کتنا منفی ہے۔ مادی نظام چونکہ ہمیں نظر آتا ہے، محسوس ہوتا ہے۔ ایک حکایت ہے کہ کسی بادشاہ کی سحری میں آنکھ کھلی محل میں تو اس نے باہر نگاہ دوڑائی۔ اس نے دیکھا کہ سڑکیں بنانے کے لیے پتھرا کٹھے کر دیتے ہیں اس طرح کا کوئی ڈھیر پڑا ہوا تھا، اس پر کوئی فقیر سو رہا تھا اور اس کے پاس کپڑا بھی کوئی نہ تھا۔ ایک پتلی سی چادر پتھروں پر بچھائی اور اس پر سو گیا تو اس نے کہا، کمال ہے یار! ہمیں شاہی بستر پر نیند نہیں آتی، یہ عجیب بندے کو دیکھو پتھروں پر سو رہا ہے۔ وہ ٹوٹے پھوٹے پتھر، جن کی نوک کہیں نکلی ہوئی تھی تو اس نے کہا اسے صبح دربار میں لاؤ۔ اُسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا، اس نے کہا، میں نے دیکھا ہے تم پتھروں پر سو رہے تھے۔ اس نے کہا، جی! پھر تمہاری

رات کیسے گزری، بادشاہ نے پوچھا۔ وہ کہنے لگا! بادشاہ سلامت کچھ تو آپ جیسی گزر گئی، کچھ آپ سے بہتر گزری۔ وہ حیران ہوگیا، اس نے کہا، عجیب بات کرتے ہو تم، میں شاہی محل میں تھا، تم پتھروں پر تھے۔ اس نے کہا! بادشاہ سلامت جب میں سوگیا، آپ سو گئے۔ آپ بھی غافل ہوگئے میں بھی غافل ہوگیا۔ سونے والے کو کیا پتا وہ پتھروں پر پڑا ہے یا بستر پر ہے لیکن جو وقت جاگتے گزرا آپ پریشان رہے، میں اللہ کا ذکر کرتا رہا، وہ میرا آپ سے بہتر گزرا۔ کچھ رات میری آپ سے بہتر گزری، کچھ آپ جیسی گزر گئی کہ جب تک آپ جاگتے رہے آپ دنیا کے بکھیڑے سوچتے رہے میں جب تک جاگتا رہا میں اللہ اللہ کرتا رہا۔ میرا وہ وقت آپ سے بہتر گزر گیا اور جب سو گئے تو دونوں ایک جیسے ہوگئے، آپ جیسی ہی گزر گئی۔ یہ جو روحانی نظام ہے یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ بندہ مکلف ہے، جب بندہ جتنے خلوص سے اللہ کو مانتا ہے، جتنے خلوص سے اللہ کے نبی ﷺ کی اطاعت کرتا ہے اتنا اُسے روحانی نظام میں ایک مقام، ایک درجہ، کچھ سہولتیں مل جاتی ہیں۔ اگر دنیا کی تکلیف بھی آئے تو وہ سہولتیں اُسے شادکام رکھتی ہیں وہ پریشان نہیں ہوتا۔ جس کا تعلق روحانی نظام سے نہ ہو، کافر ہوجائے یا مسلمان ہو تو کمزور ہو باعمل نہ ہو، اس طرح کی اُسے ریلیف (Relief) ملتی ہے۔ پھر دنیا کی سہولتیں بھی ہوتی ہیں تو وہ بیقرار رہتا ہے۔ کافر ہے تو اُسے کبھی چین ہی نصیب نہیں ہوتا۔ مومن ہے، بے عمل ہے تو کبھی دل خوش ہوگیا، کبھی غم زدہ ہوگیا۔ آپ پیسہ اکٹھا کرتے ہیں تو آپ مکان بناتے ہیں یا گاڑی لیتے ہیں۔ لباس پہنتے ہیں اس لیے کہ اِس سے سہولت ملے۔ دوسری چیز ہے دوسروں پر رعب داب لیکن پہلی چیز تو اپنے آپ کو آرام پہنچانا ہے ناں، تو اگر اُس کے ہوتے ہوئے بھی آرام نہ ملے دل پریشان رہے تو اس کا کیا فائدہ؟ مادیت کی حیثیت یہ ہے اور روحانیت اس سے قوی تر ہے۔ بندے کا جو مرتبہ روحانیت میں ہوتا ہے تو اس کی اسے Feelings ہوتی ہیں، بعض اوقات وہ دکھوں میں بھی خوش رہتا ہے اور بعض لوگ آرام میں بھی تڑپتے رہتے ہیں۔

بقیہ صفحہ نمبر 47 سے آگے

اہلِ سیر نے کہا ہے کہ اس لڑائی میں حضرت اسماءؓ نے تنہا اپنی لکڑی سے 9 رومیوں کو جہنم واصل کر دیا۔

وفات:

شام میں جنگِ یرموک میں حصہ لینے کے بعد دمشق کا رُخ کیا تواریخ میں آتا ہے کہ وہاں حدیث بیان کرنے لگیں۔ ابنِ عساکر نے اپنی تاریخ میں ابی زرعہ سے روایت کیا ہے کہ "شام میں عورتوں سے حضرت اسماءؓ بنت یزید بن سکن نے حدیث بیان کی ہیں۔"

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ "اسماء بنت یزید، یزید بن معاویہ کے دور تک زندہ رہیں۔" (یزید بن معاویہ نے 14 ربیع الاوّل 64 ہجری میں وفات پائی)

ایک اور جگہ علامہ ذہبی فرماتے ہیں "حضرت اسماءؓ وہیں دمشق میں ٹھہریں اور ان کی قبر وہیں باب الصغیر میں ہے۔"

(سیر اعلام النبلاء، ج:2، ص220)

ابن کثیر کے مطابق 69 ہجری میں وفات پائی اور تب عبد الملک بن مروان کا دورِ خلافت تھا اور آپ باب الصغیر میں دفن ہوئیں۔

فضل وکمال: ابن عبد البرؒ نے "استیعاب" میں لکھا ہے "کان من ذوات العقل والدین" (وہ عقل و دین دونوں سے بہرہ ور تھیں)

مرویات: حضرت اسماءؓ کی مرویات، بہت چیزوں میں ملتی ہیں مثلاً تفسیر، اسبابِ نزول، الاحکام، شمائل، مغازی (جہاد) سیرت اور فضائل وغیرہ۔ امام بخاری نے ان کی حدیث "ادب المفرد" میں تحریر کی ہے۔

حضرت اسماءؓ آپ ﷺ سے خوب سوال کرتیں اور ہر بات یادداشت میں محفوظ کرتیں۔ اسی وجہ سے انصار خواتین میں سے سب زیادہ حدیث روایت کرنے والی صحابیہ ہیں۔ آپؓ نے نبی کریم ﷺ سے 81 احادیث روایت کیں۔

علامہ ابنِ عساکر اور علامہ ذہبی نے آپؓ کے حسن روایت کی گواہی دی ہے آپؓ سے جلیل القدر تابعین نے بھی روایت کی ہے۔

آپؓ بہت مہمان نواز، دھوکے اور فتنوں کو دفع کرنے والی تھیں۔

رضی اللہ عنہا

بیان 31 مئی 2015ء

ایمان اور اعمالِ صالحہ کا انجام

سورۃ العنکبوت آیات 9 تا 13

الشیخ مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى حَبِيْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ. اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ.

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ (9)
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ (10)
وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ (11)
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَمَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ (12)
وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ؗ وَلَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ (13)

کائنات بسیط کا ایک بڑا مکمل اور ہر طرح سے جامع نظام ہے، تخلیقِ انسانی بے مقصد نہیں ہے، اتنا بڑا نظام ایک فرد کے لیے بنایا گیا ہے، یہ ساری کائنات ایک انسان کی خدمت پہ لگی ہوئی ہے۔ ستارے، سیارے، سورج، چاند، آسمان، زمینیں، فضائیں، ہوائیں، بادل، بارشیں، یہ سارا کچھ، جتنے ستارے سیارے ہیں ان کی توجہ کا مرکز زمین ہے۔ مختلف روئیدگیاں، مختلف دھاتیں بنتی ہیں، مختلف انقلابات زمین پہ جو آتے ہیں ان ستاروں سیاروں سے متعلق ہیں۔ گویا سب زمین پر متوجہ ہیں۔ فرمایا، زمین کی ساری تخلیق تمہارے لیے ہیں: خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ (البقرہ: 29)۔۔۔ جو کچھ زمین پہ پیدا کیا ہے یہ صرف تمہارے لیے ہے۔ یہ ساری کائنات جس فرد کی خدمت پہ لگی ہوئی ہے اس میں عالمِ امر کی روح ہے، امر کو فنا نہیں، لہٰذا انسان کبھی فنا نہیں ہوگا۔ پیدا ہوا، اللہ نے پیدا فرمایا، اسے ہمیشہ باقی رکھے گا۔ دُنیوی علوم اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں، دنیوی علوم انسان کی پیدائش پر بحث کرتے ہیں، زندگی پر بحث کرتے ہیں، صحت و بیماری کا تجزیہ کرتے ہیں، جوانی و بڑھاپے کے احوال بیان کرتے ہیں لیکن موت اور موت کے بعد کا تجزیہ یہ دنیوی علوم کے بس کی بات نہیں۔ اس کی خبر صادق نبی کریم ﷺ سے انسان کو ملتی ہے۔ انبیاء نے پہنچائی ہے۔

اللہ کریم نے علم کے جاننے کے ذرائع بنائے ہیں۔ ہمارے حواسِ خمسہ جو ہیں یہ جاننے کے ذرائع ہیں۔ سن کر جانتے ہیں، دیکھ کر جانتے ہیں، پڑھ کر جانتے ہیں، چھو کر جانتے ہیں، چکھ کر جانتے ہیں، سونگھ کر جانتے ہیں۔ ان سے اوپر عقلِ انسانی ہے، ان ذرائع کو جب دھوکہ لگتا ہے تو عقل راہنمائی کرتی ہے۔ ہم گاڑی میں سفر کر رہے ہوتے ہیں، ہم باہر دیکھتے ہیں تو ایسا لگتا ہے درخت بھاگ رہے ہیں۔ اب نظر نے دیکھا اسے دھوکہ لگا درخت بھاگ رہے ہیں۔ عقل انسانی برتر ہے وہ اس کی اصلاح کرتی ہے کہ درخت نہیں بھاگ رہے گاڑی بھاگ رہی ہے۔ ہم چاند کو دیکھتے ہیں، کہتے ہیں، چاند آسمان پہ چل رہا ہے، سفر کر رہا ہے۔ عقل کہتی ہے نظر دھوکہ کھا رہی ہے بادل چل رہے ہیں چاند اپنی جگہ پر ہے۔ لیکن جب بات ان حسیات سے آگے چلی جائے تو پھر کیا ذریعہ ہے؟ عقل بھی دھوکہ کھا جائے یا عقل جواب دے جائے کہ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔ جیسے موت آتی ہے ایک مخلوق ہے جو روزانہ زیرِ زمین جا رہی ہے یہ کہاں جا رہے ہیں؟ کیا زندگی کا یہی انجام ہے کہ جیا اور مر گیا۔ بس بات ختم ہوگئی۔ عقل تو یہیں تک پہنچتی ہے۔ اس سے اگلا ذریعہ ہے خبرِ صادق، سچی بات اور خبرِ صادق ملتی ہے انبیاء علیہم

الصلوٰۃ والسلام سے۔ کوئی بھی انسان کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کا کوئی نتیجہ نہ ہو اور اگر کرتا ہے تو اسے فضول سمجھا جاتا ہے۔ کھلاڑی اگر کھیلیں بھی کھیلتے ہیں تو اس میں بھی جواء داخل کر لیتے ہیں حالانکہ کھلاڑیوں کو ویسے بے شمار پیسہ مل رہا ہوتا ہے لیکن پھر چاہتے ہیں کچھ اور ملے یعنی دولت جمع کرنا مقصد ہوتا ہے۔ ہر کام کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے اور ایسا کام جس کا کوئی مقصد نہ ہو اسے فضول کام کہتے ہیں کہ یہ وقت ضائع کر رہا ہے۔ اگر انسان کوئی ایسا کام کر رہا ہو جس سے حاصل کچھ نہیں ہوتا تو اسے فضول اور بیکار سمجھا جاتا ہے۔ اللہ کریم کی شان سے تو یہ بعید ہے کہ کوئی ایسا کام کریں کہ اس کا کوئی نتیجہ ہی نہ ہو کیونکہ یہ تو خامی ہے، کمزوری ہے۔ کوئی انسان بھی ایسا کام کرتا ہے تو اس کی خامی سمجھی جاتی ہے، اسے اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ اللہ کریم تو ان چیزوں سے پاک ہیں، بالاتر ہیں کہ اتنی بڑی کارگاہِ حیات کو انسان کی پرورش و تربیت پر لگا دیا اور وہ بس جیا اور مر گیا اور کوئی نتیجہ نہیں۔ یہ تو اللہ کی شان سے بعید ہے۔ وہ نتیجہ آخرت ہے، جس کی خبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے دی، جس کی خبر اللہ کی کتابوں نے دی اور جس کی خبر حضور نبی کریم ﷺ نے دی، جس کی خبر قرآنِ کریم میں ہے۔ یہ خبرِ صادق ہے، سچی بات ہے، اس کے بعد اس سے بالاتر کوئی ذریعہ علم کا انسان کے پاس نہیں ہے۔ فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔۔۔ اور اپنے عمل کو بھی صالح کر دیا۔ عقیدہ بھی درست تھا، عمل بھی نیک کیا لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ۔۔۔ وہ جب یہاں سے جائیں گے تو ہم انہیں اپنے نیک بندوں میں شامل کریں گے یعنی جو نیکی کرے گا، جس کا عقیدہ صحیح ہوگا اس کے رہنے کی جگہ خوبصورت ہوگی۔ جس کا عقیدہ غلط ہوگا اور کردار صحیح نہیں ہوگا، اس کے رہنے کی جگہ بھی اس کی حیثیت کے مطابق ہوگی۔

اگلے دن ایک سوال تھا کہ اللہ کریم کو کیا ضرورت ہے کہ بندوں کو عذاب کریں؟ چلو، جنہوں نے نیکی کی انہیں بخش دیں، جنہوں نے نیکی نہیں کی انہیں خاک میں ملا دے۔ دوبارہ عذاب کر کے اللہ کریم کو کیا حاصل ہوگا؟ تو میں نے عرض کیا کہ اللہ کریم کو کسی چیز کی کوئی ضرورت نہیں، وہ بے نیاز ہے، لیکن ہر عمل کا نتیجہ ہونا چاہیے، بلا نتیجہ کام اللہ کریم کو زیب نہیں دیتا۔ اب جو عذاب ہوگا وہ انسان کا اپنا کمایا ہوا ہے، جو عمل وہ کرتا ہے اس کا نتیجہ ہوگا۔ بے نتیجہ کام تو کوئی فضول کام ہوتا ہے، وہ اللہ کریم کو زیب نہیں دیتا۔

پھر ایک سوال تھا کہ جی عذاب و ثواب کا فیصلہ تو قیامت کے روز ہوگا، درست ہے تو قبر کا عذاب کیوں ہے؟ برزخ کا عذاب کیوں ہے؟ جواب یہ ہے کہ برزخ دراصل ایک انتظار گاہ ہے، مرنے سے لے کر قیامِ قیامت تک ہر فرد ایک انتظار گاہ میں ہے، منتظر ہے۔ اب اس انتظار گاہ میں جس درجے کا انسان ہے اُس درجے کا وہاں اہتمام ہوگا۔ آپ یہاں گاڑی میں سفر کرتے ہیں، بس میں جاتے ہیں تو انتظار گاہیں بنی ہوئی ہیں۔ فرسٹ کلاس کی انتظار گاہ بھی فرسٹ کلاس ہے، سیکنڈ کی اس کے مطابق ہے تھرڈ کلاس کی انتظار گاہ بھی ویسی ہے جیسے تھرڈ کلاس ہوتی ہے۔ تو یہ برزخ انتظار گاہ ہے، جس درجے کا آدمی ہے ویسا اس کی رہائش کا انتظام ہے۔ عام آدمی آتا ہے تو اسے باہر کھڑا کر دیا جاتا ہے، کوئی بڑا آدمی آتا ہے تو اسے انتظار گاہ میں، صوفوں پہ بٹھایا جاتا ہے۔ کوئی قیدی ہتھکڑی لگی ہوئی آتا ہے تو اُس کی انتظار گاہ بھی ایک حوالات نما کمرہ بنا ہوتا ہے، اُسے اس میں، تالے میں بند کر دیا جاتا ہے۔ برزخ انتظار گاہ ہے، جس درجے کا آدمی جاتا ہے اُس درجے کی وہاں انتظار گاہ ہے جسے برزخ کا یا قبر کا عذاب کہتے ہیں۔ وہ بدکاروں کے لیے ان کا انتظار کرنے کا مقام ہے۔ نیکوں کا بھی مقام ہے، ان کی حیثیت کے مطابق ہوگا، اس میں نعمتیں ہیں، انعامات ہیں، جنت کی روشنی ہے، جنت کی خوشبوئیں ہیں، جنت کی ہوائیں ہیں۔ کفر کے لیے جو انتظار گاہ ہے اس میں دوزخ کا دھواں ہے، آگ کی تپش ہے، دوزخ کی مصیبتیں ہیں۔ جو اپنا ایمان درست کر لے اور عمل صحیح کر لے تو جب وہ یہاں سے جاتا ہے تو ہم اسے اپنے نیک بندوں کے ساتھ اعلیٰ درجے کی انتظار گاہ میں داخل کریں گے۔ اب بعض لوگ کہتے ہیں عقیدے کی صحت کا کیا معاملہ ہے؟ فرمایا، زبانی تو ہر کوئی کہہ لیتا ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ۔۔۔ بے شمار لوگ دعویٰ کرتے ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، پتا تب چلتا ہے جب آزمائش آتی ہے۔ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ

۔۔۔اللہ کی راہ میں جب ان پر کوئی مصیبت آئے۔
جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ۔۔۔ تو لوگوں کی آزمائش یا لوگوں کے ظلم سے اتنا ڈرتے ہیں جتنا اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ دنیا میں لوگ جتنا بھی ظلم کرلیں اس کا مداوا موجود ہے، اس کا علاج موجود ہے، کوئی مدد کرسکتا ہے، کسی طریقے سے نکلا جاسکتا ہے، بندہ بھاگ سکتا ہے، گھر چھوڑ جاتا ہے، شہر چھوڑ جاتا ہے۔ سو طریقے ہیں اس سے بچنے کے لیکن اللہ کے عذاب سے بچنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ جس پر جو عذاب آئے گا اسے بھگتنا ہوگا۔ کوئی اس کی مدد کو آئے گا، نہ کوئی اس کی سفارش کو آئے گا، نہ ہی وہ بچ سکے گا۔ چونکہ کفر کے لیے نہ سفارش ہے نہ کسی کی دعا ہے۔ کافر کے لیے دعا کرنا بھی منع ہے۔

فرمایا، لوگ دعویٰ تو ایمان کا کرتے ہیں جب تھوڑی سی سختی آتی ہے تو پھر اس دنیوی مصیبتوں سے اتنا ڈرتے ہیں جتنا عذاب الٰہی سے ڈرنا چاہیے۔ کفر کا جب دباؤ آتا ہے تو ڈر جاتے ہیں۔ آپ آج کے عالمِ اسلام کو دیکھ لیجئے۔ عمومی سطح پر دیکھئے بحیثیت مسلمان ہم کہاں کہاں پھنسے ہوئے ہیں۔ اللہ کریم نے سود حرام کیا ہے اور اتنا حرام کیا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (سورۃ البقرہ: 279) کہ جو سود کھاتے ہیں ان کے ساتھ اللہ اور اللہ کے رسول کا اعلانِ جنگ ہے۔ وہ جنگ کے لیے تیار ہو جائے، لیکن لوگ کھا رہے ہیں، کیوں کھا رہے ہیں؟ کافروں کو خوش رکھنے کے لیے، کافروں کی پیروی کرنے کے لیے۔ ہمارے دانشور یا ہمارے حکمران سیاستدان یہ کہتے ہیں جی اگر سود ختم کردیں تو ہم اس دنیا میں زندہ نہیں رہ سکتے۔ پوری دنیا کا معاشی نظام سودی ہے ہم الگ کیسے رہ سکتے ہیں؟ روئے زمین پر ہر طرف سود تھا۔ مکہ مکرمہ میں بھی سود تھا جو لوگ اسلام لائے کیا انہوں نے سودی نظام اپنایا کہ روئے زمین پر سود ہے تو ہم کیسے زندہ رہیں؟ پھر وہ زندہ رہے یا انہوں نے سود والوں کو منع کرکے روئے زمین پر بلا سودی نظام جاری کیا؟ تو یہ ایمان ہے؟ یہ اسلام ہے؟ ہم مسلمان ہیں لیکن ہم سود کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ فرمایا، یہ کیسے لوگ ہیں کہ جب آزمائش آتی ہے تو دعویٰ اسلام کے ساتھ پھر کفر میں ڈھل جاتے ہیں۔ خیر ہم تو کافر معاشرے کے سامنے لیٹ گئے ہیں ہم نے تو اپنی حیثیت ہی ختم کردی ہے۔ ہمارے لباس، ہمارے حُلیے ہمارے طور اطوار، ہمارے طریقے بالکل غلاموں جیسے اور ویسے ہی کافروں کے تابع ہو گئے ہیں، اللہ معاف کرے۔

فرمایا، اس آزمائش سے اس طرح ڈرتے ہیں جیسے عذاب الٰہی سے ڈرا جاتا ہے۔ عذاب الٰہی سے تو بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے اس سے ڈرنا چاہیے۔ دنیا میں کفر کا مقابلہ کرنا چاہیے، یہی تو اسلام ہے۔ کفر کے سمجھوتے کے ساتھ زندہ رہنا اسلام نہیں ہے۔ اسلام اپنی الگ شناخت، اپنا عقیدہ، اپنا کردار، اپنی تہذیب رکھتا ہے۔ یہاں برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت رہی تو پگڑی کی بہت عزت تھی۔ بادشاہ تک پگڑیاں پہنا کرتے تھے، امراء وزراء پگڑیاں پہنا کرتے تھے، شرفاء پگڑیاں پہنا کرتے تھے۔ جب انگریز نے برصغیر پر قبضہ کیا تو بہت سے کام اس نے کئے۔ نظامِ تعلیم ہمارا تباہ کیا، اپنا نظامِ تعلیم لایا، ہماری تاریخ مسخ کرکے اپنی پسند کی تاریخ لکھ دی۔ مسلمان حکمرانوں کو ظالم وجابر لکھ کر ڈاکوؤں اور لیٹروں کو بڑا دلیر اور بہادر لکھا۔ نصف صدی ہونے کو ہے آج تک ہم اس تاریخ کی اصلاح نہیں کرسکے۔ بچوں کو وہی پڑھا رہے ہیں جو انگریز نے لکھا۔ ہمارے ٹی وی اینکر اور ہمارے ٹی وی پروگرام آج بھی مسلمان حکمرانوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کبھی آپ نے دیکھا کسی ہندو راجے کا مذاق اڑایا گیا ہو، کسی راجپوت کا، کسی کافر کا یا کسی انگریز کا۔ نہیں! مسلمان حکمرانوں کا مذاق اڑانا بڑا کمال سمجھتے ہیں اور حوالے دیتے ہیں انگریزوں کی کتابوں کے، فلاں کتاب میں یہ لکھا ہے، فلاں میں یہ لکھا ہے۔ اسی طرح انگریزوں نے پگڑی کو رسوا کرنے کے لیے، جو امیروں کا لباس تھا اس نے چوکیداروں اور چپڑاسیوں کو پہنایا، عدالت کا چپڑاسی پگڑی پہنے ہوئے ہوگا۔ اسمبلی میں جو چپڑاسی قسم کے لوگ ہوں گے وہ پگڑیاں پہنے ہوئے ہوں گے، اس لیے کہ وہ پگڑی کو رسوا کرنا چاہتا تھا۔ ستر سال ہو گئے آج بھی ہمارے چپڑاسی اور اسمبلی کے چوکیدار وہ پگڑیاں پہنے ہوئے ہیں ہوٹل کے دروازے پہ جو کھڑا ہوگا اس نے پگڑی پہنی ہوگی یعنی ہم سے یہ نہیں ہوسکا کہ یہ پگڑی حضور اکرم ﷺ کی سنت ہے ہم اس کی تضحیک تو بند کردیں۔ (جاری ہے)

خواتین کا صفحہ

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا بنتِ یزید انصاریہ رضی

"سیر الصحابیاتؓ مع اسوۂ صحابیات" سے ماخوذ

نام ونسب:

حضرت اسماء بنتِ یزید کا شمار نہایت عظیم المرتبت صحابیات میں ہوتا ہے۔ ان کا تعلق اوس کے خاندان بنو عبدالاشہل سے تھا جو اوس کا شریف ترین گھرانہ تھا اور سارے قبیلے کی سیادتِ عمومی اس میں وراثتاً چلی آ رہی تھی۔ سید الاوس صدیقِ انصار حضرت سعدؓ بن معاذ بھی اسی خاندان سے تھے۔

حضرت اسماءؓ کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔

اسماءؓ بنتِ یزید بن السکن بن رافع بن امراء القیس بن زید بن عبد الاشہل ۔۔۔ بن مالک بن اوس۔

ان کا نسب "امراء القیس" پہ حضرت سعدؓ بن معاذ سے اور "رافع" پہ جلیل القدر صحابی حضرت اسیدؓ اشہلی سے مل جاتا ہے۔ یوں حضرت سعدؓ رشتہ میں ان کے چچا اور اسیدؓ بھتیجے تھے۔

آپؓ کی کنیت ام سلمہ یا امِ عامر ہے۔

قبولِ اسلام:

عام روایتوں میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو انہوں نے اسلام قبول کیا۔ لیکن اگر قرائن پہ نگاہ کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہجرت سے قبل مشرف بہ اسلام ہو گئی تھیں۔ تمام اہلِ سیر اس بات پہ متفق ہیں کہ بیعتِ عقبہ کبیرہ سے قبل حضرت مصعب بن عمیرؓ کی تبلیغی مساعی کے نتیجہ میں سید الاوس حضرت سعدؓ بن معاذ اور بنو اشہل کے دوسرے سردار حضرت اسیدؓ بن حضیرؓ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے تھے۔ ان دونوں کے اثر ورسوخ سے ماسوائے چند ایک کے سارا قبیلہ عبدالاشہل ایک دن میں مسلمان ہو گیا تھا۔

قیاسِ غالب یہ ہے کہ حضرت اسماءؓ بنتِ یزید بھی اسی وقت مسلمان ہو گئیں۔ حضورؐ کی خدمت میں ہجرت کے چند روز بعد حاضر ہو کر سوال کرنے والا واقعہ بھی یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس واقعہ سے قبل ہی حلقۂ بگوشِ اسلام ہو چکی تھیں۔

دیگر اہلِ خانہ کا قبولِ اسلام:

ایک روایت میں ان کے والد یزید بن سکن کو بھی صحابی رسول بتایا گیا ہے لیکن عام طور پر کتبِ سیرت ان کے بارے میں خاموش ہیں۔ البتہ ان کے حقیقی بھائی اور حضرت اسماءؓ کے چچا زیاد بن سکن اور یزید کے بھتیجے حضرت عمارہؓ بن زیاد بہت مخلص اور قدیم الاسلام صحابی تھے۔

ایک روایت کے مطابق حضرت اسماء کی بہن اُمِ بجید حواؓ بنتِ یزید بھی مشرف بہ اسلام ہو گئیں اور وہ ان چند صحابیات میں سے ہیں جو بیعتِ رضوان میں شریک ہوئیں۔

سونے کے کنگن:

مسند احمد میں ہے کہ حضرت اسماء کے ساتھ ان کی خالہ بھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انہوں نے سونے کے کنگن پہن رکھے تھے اور انگوٹھیاں بھی۔ حضور ﷺ کی نظر پڑی تو فرمایا "ان کی زکوٰۃ دیتی ہو؟" بولیں "نہیں" تو حضور ﷺ نے فرمایا "کیا تم کو پسند ہے کہ آخرت کے دن خدا ان کے بدلے تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟"

حضرت اسماءؓ کے کہنے پہ ان کی خالہ نے وہ کنگن اتار دیئے اور پھینک دیئے تو حضرت اسماءؓ نے عرض کی "یا رسول اللہ ﷺ: اگر ہم زیور نہ پہنیں تو شوہر کی نظروں سے گر جائیں گی۔"

حضور ﷺ نے فرمایا: "تو پھر چاندی کے زیورات بناؤ اور ان

پر زعفران مل دو کہ سونے کی چمک پیدا ہو جائے۔"

ایک دوسری روایت کے مطابق خود حضرت اسماءؓ نے یہ زیورات پہن رکھے تھے اور ارشادِ نبوی ﷺ سن کر اُتار پھینکے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دستِ اقدس پہ بیعت:

کنگن اتارنے کے واقعہ کے بعد حضرت اسماءؓ اور دیگر خواتین نے عرض کیا کہ حضور ﷺ دستِ اقدس بڑھایئے تاکہ ہم آپ ﷺ کے ہاتھ پہ بیعت کر سکیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا "میں عورتوں سے ہاتھ نہیں ملاتا البتہ تم ان باتوں کا اقرار کرو، بیعت ہو جائے گی۔"

1۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گی۔

2۔ چوری نہ کرو گی۔

3 زنا سے بچو گی۔

4۔ کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ گی۔

5۔ کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگاؤ گی۔

6۔ اچھی باتوں سے انکار نہ کرو گی۔

ان کے فخر کے لیے یہی کافی ہے کہ انہوں نے انصار کی عورتوں میں سب سے پہلے بیعت کی۔ ان کے ساتھ کبشہؓ بنتِ رافع بھی تھیں جو حضرت سعدؓ بن معاذ کی والدہ بھی تھیں۔ (طبقات، ج:8، ص:12)

عورتوں کی سفیر و قاصد:

حضرت اسماءؓ اپنے عمدہ کلام اور ممتاز خطاب کے ساتھ اس وقت مشہور ہوئیں جب حضور ﷺ نے آپؓ کے زورِ بیان کی تعریف فرمائی۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ جب حضور ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ میں جلوہ افروز ہوئے تو اہلِ مدینہ (اوس وخزرج) جوق در جوق حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر زیارت و بیعت کی سعادت حاصل کرنے لگے۔ یہ تمام لوگ بیعتِ عقبہ میں شامل نہ تھے۔ حضور ﷺ اپنے جانثاروں کے درمیان رونق افروز تھے تو خواتین کی ایک جماعت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ان میں حضرت اسماءؓ بنتِ یزید انصاریہ بھی تھیں۔ آگے بڑھ کر یوں عرض پیرا ہوئیں۔

"یا رسول اللہ ﷺ: میرے پیچھے مسلمان عورتوں کی ایک جماعت ہے اور جو میں عرض کر رہی ہوں، میری رائے کے موافق سب کی رائے ہے۔ میں ان کی قاصد ہوں۔ یا رسول اللہ ﷺ: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مرد و زن سب کی طرف ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا اور ہم آپ ﷺ پر ایمان لائے۔ لیکن عورتوں اور مردوں کی حالت میں بڑا فرق ہے۔ عورتیں گھروں کے اندر رہتی ہیں اس لیے مردوں کی طرح باجماعت نماز، نمازِ جمعہ اور نمازِ جنازہ میں شریک نہیں ہو سکتیں اور نہ حج اور جہاد میں عمومیت کے ساتھ حصہ لے سکتی ہیں۔ البتہ جب مرد باہر ہوتے ہیں تو وہ ان کی اولاد کی پرورش کرتی ہے، ان کے مال کی حفاظت کرتی ہے، ان کے اہل و عیال کے لیے پوشاک تیار کرنے کو چرخہ کاتتی ہے اور کپڑا بنتی ہے۔ کیا عورتوں کو بھی مردوں کے کارہائے خیر کا اجر و ثواب ملے گا۔"

حضور ﷺ ان کی فصاحت و بلاغت سے بہت متاثر ہوئے اور صحابہ کرامؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: "کیا تم نے دین کے بارے کسی عورت سے ایسی گفتگو سنی" سب صحابہ نے یک زبان کہا "یا رسول اللہ ﷺ! ہمارے خیال میں بھی نہیں آسکتا کہ کوئی عورت ایسی گفتگو بھی کر سکتی ہے۔" اس پر رحمتِ عالم ﷺ نے حضرت اسماءؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا: اے اسماءؓ: اپنے پیچھے عورتوں کو بتلا دیجئے کہ تم میں سے ہر ایک کا اپنے شوہر کی اطاعت کرنا اور اس کی رضا کو تلاش کرنا بہت اہم ہے۔ اگر وہ شوہر کی موافقت و فرمانبرداری کرتی ہے تو اس کو بھی مرد کے برابر اجر ملے گا، اُن سب باتوں میں جن کا آپؓ نے ذکر کیا ہے۔"

اور حضرت اسماءؓ خوشی سے اللہ اکبر کہتی ہوئی لوٹ گئیں۔ حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی سُن کر وہ اور ان کی ساتھی خواتین اس قدر خوش ہوئیں کہ ان کے پاؤں زمین پہ نہ ٹکتے تھے۔

(استیعاب، ج:4، ص:233، اسد الغابہ، ج:5، ص:9)

حضرت عائشہؓ کی رخصتی:

شوال 1 ہجری میں حضرت عائشہؓ کی رخصتی ہوئی تو حضرت اسماءؓ نے چند دیگر خواتین کے ہمراہ انہیں سنوارا اور حجلے میں بٹھا کر رسول اکرم ﷺ

کو اطلاع دی۔ آپ ﷺ تشریف لائے۔ کسی نے دودھ پیش کیا، آپ ﷺ نے تھوڑا سا نوش فرما کر حضرت عائشہؓ کو دے دیا۔ انہوں نے شرم کے مارے سر جھکا لیا۔ حضرت اسماءؓ نے پیار سے سرزنش کی کہ "رسول اللہ ﷺ جو دیتے ہیں لے لو"، تو انہوں نے دودھ لے لیا اور کچھ پی لیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا "اپنی سہیلیوں کو دو" تو حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں، ہم نے عرض کی: "اس وقت ہم کو بھوک نہیں"، تو حضور ﷺ نے فرمایا: "جھوٹ نہ بولو، آدمی کا ایک ایک جھوٹ لکھا جاتا ہے۔" (مسند احمد)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت اسماءؓ، حضرت عائشہؓ کی سہیلیوں میں شامل تھیں۔

غزوۂ بدر و اُحد میں اقارب کی جاں نثاری:

6 ہجری میں غزوۂ بدر پیش آیا تو سارے بنو اشہل نے جان کی بازی لگا دی اُن میں حضرت اسماءؓ کے کئی قریبی عزیز بھی شامل تھے۔ یہی کیفیت غزوۂ احد میں بھی تھی اس جنگ میں حضرت اسماءؓ کے چچا، حضرت زیاد بن سکنؓ اور ابنِ عم عمارہ بن زیادؓ نے اس شان سے جانیں، حضور ﷺ پر قربان کیں کہ تمام صحابہ کرام رشک کیا کرتے تھے۔

میدانِ اُحد میں مشرکین شمعِ رسالت کو بجھانے کا پختہ ارادہ رکھتے تھے۔ اس ناپاک ارادے کو پورا کرنے کے لیے بار بار آپ ﷺ کا نرغہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ صورتِ حال سخت نازک ہو گئی تو حضور ﷺ نے فرمایا: "کون ہے جو دشمنوں کو مجھ سے دفع کرے تو اس کے لیے جنت ہے۔" معاً سات نصاریٰ آگے بڑھے اور خوب قتال کیا۔ یہاں تک کہ ساتوں نے ہی ایک کے بعد ایک خوب مردانہ وار لڑ کر اپنی جانیں رحمتِ عالم ﷺ پر نثار کر دیں۔ ان میں زیاد بن سکنؓ اور ان کے فرزند عمارہ بن زیادؓ بھی شامل تھے۔ حضرت عمارہؓ اس عالم میں اس دارِ فانی سے رخصت ہوئے کہ لڑتے لڑتے آخر چودہویں زخم پر ان کی طاقت ختم ہو گئی اور وہ گر پڑے۔ لوگ سمجھے شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ کو اطلاع دی تو فرمایا: "عمارہ کی لاش میرے پاس لے آؤ۔" لوگ دوڑ پڑے، دیکھا تو ابھی سانسیں چل رہی تھیں۔ حضور ﷺ کے روبرو لا کر رکھ دیا۔ ان میں بولنے کی سکت نہ تھی تو انہوں نے اپنے رخسار آپ ﷺ کے قدموں پہ رکھ دیئے اور اسی حالت میں شہادت پائی۔

یہ تھے حضرت اسماءؓ کے خاندان والے۔

دجال کا خوف:

حضرت اسماء اکثر آپ ﷺ سے اکتسابِ فیض کے لیے خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتیں۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ سے دجال کا ذکر سن کر اس قدر گریہ وزاری کی کہ دوبارہ حضور ﷺ تشریف لائے تو ہچکی بندھی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا: "اسماءؓ اتنا کیوں روتی ہو" عرض کی "یارسول اللہ ﷺ: ہم سے تو اتنی دیر بھوک برداشت نہیں ہوتی کہ لونڈی اطمینان سے آٹا گوندھ کر روٹی پکائے، دجال کے عہد میں قحط پڑے گا تو ہم ایمان پہ کیسے ثابت قدم رہیں گے؟"

حضورؐ نے فرمایا: "اس وقت اللہ کے ذکر کی کثرت بھوک سے بچائے گی۔"

وحی کا نزول:

ایک مرتبہ حضرت اسماءؓ حضور ﷺ کی اونٹنی کی مہار تھامے کھڑی تھیں تو حضور ﷺ پر وحی نازل ہوئی۔ حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں "اونٹنی اس وقت بوجھ تلے دبی جاتی تھی، مجھے ڈر لگا کہیں اس کی ٹانگیں نہ ٹوٹ جائیں۔"

ایک دفعہ کچھ دیگر خواتین کے ہمراہ حاضرِ خدمت ہوئیں تو حضور ﷺ نے فرمایا: "شائد ایسا ہوتا ہو کہ مرد یا عورتیں باہمی تعلقات کی باتوں کو دوسرے لوگوں تک پہنچاتے ہوں؟" عورتیں خاموش رہیں تو حضرت اسماءؓ نے عرض کی "جی ہاں! بعض مرد اور عورتیں ایسا کرتے ہیں۔" آپؐ نے فرمایا "ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔ اس آدمی کی مثال شیطان کی سی ہے جو کسی شیطان (صفت) عورت سے، سب کے سامنے اختلاط میں مشغول ہو۔"

جرأت و بہادری:

5 ہجری میں حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں جنگِ یرموک پیش آئی۔ ایسی ہولناک جنگ میں، حضرت اسماءؓ شوقِ شہادت لئے اپنے خاندان کے ہمراہ شریک ہوئیں اور بڑی ثابت قدمی دکھائی۔ ایک موقع پہ عیسائی، مسلمانوں سے لڑتے لڑتے عورتوں کے خیموں تک آن پہنچے۔ حضرت اسماءؓ اور دیگر خواتین خیموں کی چوبیں اکھاڑ کر دشمنوں پہ پل پڑیں اور ان کو پیچھے دھکیل دیا۔ (بقیہ حصہ 41 پر ملاحظہ کریں)

مائی جمیلہ

کیا ہم آج بھی ایک پرسکون زندگی گزار سکتے ہیں

الاخوات، لاہور

اتوار، 13 نومبر 2016ء کو الاخوات لاہور کے زیر اہتمام Grand Luxus ہوٹل میں ایک انتہائی پروقار محفل کا انعقاد کیا گیا جس کا عنوان عہدِ حاضرہ کا سب سے بڑا سوال ہے، کیا ہم آج بھی ایک پرسکون زندگی گزار سکتے ہیں؟

ہال میں چھ سو خواتین کے بیٹھنے کا انتظام تھا اور جگہ جگہ Multi Media Screens کا اہتمام کیا گیا تھا تاکہ ہال میں بیٹھی خواتین موضوع پر گفتگو سن سکیں۔

ہال کے باہر الاخوات نے، انفارمیشن ڈیسک کا انتظام بھی کر رکھا تھا جہاں ڈیوٹی پر موجود ساتھی بہنیں مستعدی سے آنے والی خواتین کے نام رجسٹر میں درج کرتی رہیں۔ مہمانوں کو کرسیوں تک راہنمائی کرنے کے لیے بھی ساتھی بہنیں مامور تھیں۔ پرانے ساتھیوں کو پچھلی کرسیوں پر بیٹھنے کی درخواست کی گئی تاکہ نئی آنے والی خواتین، مہمانِ خصوصی کو قریب سے سُن کر مستفید ہوسکیں اور ملاقات بھی کرسکیں۔ سلسلہ عالیہ کی کتب کا سٹال بھی لگایا گیا تھا۔ اس موضوع پر گفتگو کرنے کے لیے محترمہ اُمِ فاران صاحبہ خصوصی طور پر لاہور تشریف لائیں۔ یہ الاخوات لاہور کے لیے بہت اعزاز کی بات تھی کہ شیخ المکرم مدظلہ العالی کی صاحبزادی اور ہونہار شاگرد نے اُن کے پروگرام کو عزت بخشی۔ محترمہ وقت سے پہلے ہال میں تشریف لائیں۔ پروگرام کا آغاز 11 بجے کیا گیا۔ سٹیج پر مہمانِ خصوصی اور صدر الاخوات لاہور تشریف فرما تھیں۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض ڈاکٹر عائشہ سطوت صاحبہ نے سرانجام دیئے۔ تلاوت کلام پاک سے پروگرام کا باقاعدہ آغاز کیا گیا۔ انتہائی خوش الحانی سے سورۃ الرعد کی 26 تا 29 آیات کی تلاوت ایک ساتھی بیٹی نے پیش کی۔ حضرت شیخ المکرم مدظلہ العالی کی خوبصورت نعت، ساتھی بیٹی نے انتہائی دل سوز آواز میں پیش کی۔

محترمہ عائشہ سطوت صاحبہ نے الاخوات کا تعارف پیش کیا اور مسز عرفان نے اپنے محترم شیخ المکرم مدظلہ العالی کا تعارف پیش کرنے کی سعادت حاصل کی۔ محترمہ صدر صاحبہ نے مہمانِ خصوصی کا تعارف پیش کرنے کے بعد اُنہیں گفتگو کی دعوت دی۔

انہوں نے موضوع کو بہت اہم قرار دیتے ہوئے نہایت آسان فہم اور بے ساختہ انداز میں کلام فرمایا۔ انہوں نے فرمایا کہ اس نفسا نفسی کے عالم میں سکون ہر فرد کی طلب ہے۔ اس کے لیے ہمیں یہ تعین کرنا پڑے گا کہ کیا ہماری طلب تو سکون ہے مگر اس کو ہم کس چیز میں تلاش کرتے ہیں۔ ہماری سمت کیا ہے؟ ہم نے منزل کسے بنایا ہے؟ ہمیں دیکھنا پڑے گا کہ ہماری بنیاد کیا ہے؟ ہم کہاں سے چلے ہیں اور کہاں پہنچنا چاہتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ انسان کبھی مال و دولت، کبھی شہرت واقتدار میں سکون تلاش کرتا ہے کبھی پر آسائش زندگی میں، جبکہ ان کے حصول کے بعد بھی لوگ خوش نہیں رہتے۔ اس لیے کہ دنیا وقتی ہے اور اس کی ساری نعمتیں بھی، راحتیں بھی، لمحاتی ہیں۔ انہوں نے فرمایا، ایک نعمت کے حصول کے ساتھ ہی انسان دوسری کی خواہش میں بے قرار ہوجاتا ہے۔ دنیا کے پیچھے لگنے والے کے آگے آگے دنیا بھاگتی ہے جبکہ دنیا انسان کے لیے بنی ہے، اُسے استعمال کرے لیکن اُسے اگر مقصد نہ بنائے تو دنیا خود انسان کے پیچھے آتی ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ ہر چیز کی تخلیق کا ایک مقصد ہے۔ انسان بھی اگر کوئی چیز بناتا ہے تو اس کا کوئی مقصد ہوتا ہے۔ اگر وہ چیز اپنا کام چھوڑ دے تو بے کار ہوجاتی ہے۔ اللہ نے اتنی وسیع کائنات بنائی، سورج، چاند، ستارے اور بے شمار مخلوق، جس کی ساری توجہ کا مرکز زمین ہے اور زمین انسان کی خدمت کے لیے بنائی۔ اللہ کریم نے فرمایا کہ میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔ بے شمار مخلوق، فرشتے، شجر و حجر ہر آن تسبیح کرتے۔ میں نے چاہا کہ کوئی مجھے بھی پہچانے، تلاش کرے تو انسان کو بنایا۔ انسان کی منزل ہی معرفتِ الٰہی ہے،

قربِ الٰہی ہے۔ اگر یہ اپنی منزل کی سمت میں چلے گا تو کبھی پریشان نہیں ہوگا۔

اللہ کریم نے انسان کو مادی وجود دیا حواسِ خمسہ دیئے، دماغ، عقل وشعور دیا اور کائنات میں اپنی عظمت کی نشانیاں کھول کر رکھ دیں۔ اُسے اختیار دیا کہ اتنی نعمتیں پا کر بھی انسان اپنے اختیار سے، اپنے خالق اور ربّ کی طلب کا راستہ اختیار کرتا ہے یا دنیا کی چمک دمک میں کھو جاتا ہے۔

انسانی وجود کے اندر عالمِ امر کی روح ہے۔ اسی دل کے اندر ایک عالمِ امر کا لطیفہ رُبانی، قلب ہے۔ اللہ سے رابطے کا مقام یا آلہ، یہی قلب ہے۔ انوارات، برکات وجمالِ الٰہی کو وصول کرنے کا antenna، یہی قلب ہے۔ قرآن فرماتا ہے نافرمانی سے قلوب پر زنگ آجاتا ہے، کبھی ٹیڑھا اور کبھی پتھر بن جاتا ہے۔ اللہ کریم نے ہر دور میں ایسی پاکیزہ ہستیاں بھیجیں جنہیں نورِ نبوت عطا فرمایا۔ انبیاءؑ لوگوں کو اللہ سے آشنا کرتے۔ اُن پر ایمان لانے سے قلوب زندہ ہوئے۔

ہماری دنیا بھی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ اس کلمے نے ہمیں اُمتی بنادیا۔ ہم اس ہستی سے وابستہ ہیں جو اللہ کی محبوب ہستی ہے، رحمۃ اللعالمین ہے جس کی خاطر اللہ کریم نے یہ کائنات پیدا فرمائی۔ آپ ﷺ نے کس قدر مشکلات کا سامنا کیا، شعبِ ابی طالب کے تین سال ہی دیکھ لیں۔ یاد رہے کہ انسانیت کو اشرف المخلوقات ہونے کا شرف صرف اس لیے حاصل ہے کہ آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ ﷺ انسانوں میں سے ہیں۔ اللہ نے آپ ﷺ کو انسانوں میں چُنا اور ہماری ہدایت کے لیے اللہ کے محبوب ﷺ ہر آزمائش سے گزرے۔ ہم بے حد مقروض ہیں اپنے نبی کریم ﷺ کے اور ہماری یہ خوش نصیبی ہے کہ ہم براہ راست آپ ﷺ کے اُمتی ہیں۔ باقی تمام اُمتیں اپنے اپنے انبیاءؑ کے توسط سے وابستہ ہیں۔ حشر میں تمام انبیاءؑ آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوں گے اور اُن کی اُمتیں انؑ کے پیچھے ہوں گی جبکہ ہم براہ راست آپ ﷺ کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔ ہم مسلمان ہیں، ہم نبی کریم ﷺ کی بیٹیاں ہیں۔ جب تک ہم اللہ کے احکامات کو دل سے مان کر عمل پیرا نہیں ہوں گے، سنتِ نبوی ﷺ کو نہیں اپنائیں گے ہم تمام تر مادی ترقی کے باوجود، بے چین رہیں گے۔

انسان کے ساتھ اس کے خالق نے ایک Booklet بھیجی ہے۔ اس میں تمام تر ہدایات ہیں کہ کن اصولوں پر چلنا ہے، کون سا راستہ منزل کی طرف جاتا ہے۔ کیا کرو گے تو بھٹک جاؤ گے۔ ہر مرتبہ تلاوتِ قرآن ایک نئے انداز سے بات کو سمجھاتا ہے۔ قرآنِ کریم میں سب سے زیادہ زور اللہ کے ذکر پر دیا گیا۔ ہر لمحہ، ہر آن اللہ کو یاد رکھنا، انسان کی ضرورت ہے۔ اللہ کے نام کی تکرار اور کثرت سے تکرار کو، فلاح کا ضامن بتایا گیا۔ بار بار یہ دہرایا گیا کہ غافلوں میں سے نہ ہو جانا۔ کہیں اپنے رب کو بھول نہ جانا۔ یاد رکھنے والوں کو فرمایا کہ میں بھی تمہیں یاد رکھوں گا۔ جو بھول جائے گا اُسے اس کا اپنا آپ بھی بھُلا دوں گا۔ وہ اپنے نفع نقصان کے شعور سے ہی بیگانہ ہو جائے گا۔ غفلت ہر گناہ کی بنیاد ہے۔ انسان اپنے مقصدِ حیات سے غافل ہو کر چھوٹے چھوٹے مادی فائدوں میں راضی رہتا ہے۔ سچ ہے جو آخرت کے بدلے دنیا خریدتا ہے وہ کتنا گھاٹے کا سودا کرتا ہے۔ دنیا میں اچھی طرح سے رہنا بسنا منع نہیں ہے۔ اچھا لباس، اچھا گھر، اچھی غذا، اچھی سواری، عہدہ طلب کرنا منع نہیں ہے۔ یہ دنیا انسان کے لیے ہی بنی ہے البتہ اسے مقصدِ حیات بنانا منع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو استعمال کرنے اور برتنے کے لیے عقل، حواسِ خمسہ، اعضاء وجوارح دیئے۔ اللہ کو تلاش کرنے، اس کے جمال سے سیراب ہونے، اُس کو روبرو سمجھ کر عبادت کرنے، زندگی گزارنے کے لیے دل کے اندر ایک لطیفہ رُبانی ہے۔ اس لطیفہ رُبانی پر غفلت سے، برائی سے، زنگ اور سیاہی آجائے تو نبی کریم ﷺ نے علاج عطا فرمایا۔ مفہوم حدیث ہے کہ ہر چیز کو چمکانے کی پالش ہے، صیقل ہے اور دلوں کی پالش اللہ کا ذکر ہے۔

قرآن کی جن آیات کی تلاوت کی گئی تھی وہ ارشادِ باری، ایک حتمی اعلان ہے کہ خوب سن لو، اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ قلب کو اللہ اللہ کی تکرار سے روشن کیا جائے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم قلب کو اللہ اللہ سکھا دیں تو دل ایک دفعہ دھڑکتا ہے اور وجود کے کھربوں سیل اللہ اللہ کرتے ہیں، یوں کثرت کی شرط پوری ہوتی ہے۔

اللہ کا ذاتی نام "اللہ" ہے باقی سب صفاتی نام ہیں، یہی اسمِ اعظم ہے اور اس کا نور اور برکات قلب پر اترتی ہیں۔ اگر قلب کی صحت صحیح ہو، مطمئن ہو تو وہ انہیں وصول کرتا ہے اور یوں مقصدِ حیات کو پانے میں مگن ہو جاتا ہے۔ ہمیں اپنی طلب کو زندہ کرنا ہے۔ اللہ کو پانے کی سعی کرنی ہے۔ اس میں سکون ہے، یہی ہماری منزل ہے ورنہ بے چینی اور اضطراب ہے۔

انہوں نے فرمایا کہ اللہ کریم ستر ماؤں سے زیادہ شفیق ہیں اور عربی میں ستر سے مراد بے حساب ہے۔ اگر انسان اللہ کو دل میں یاد کرے تو وہ بھی دل میں یاد کرتا ہے۔ انسان اللہ کی طرف قدم بڑھائے تو وہ کریم ذات دس قدم بڑھاتی ہے۔ انسان چل کر جائے تو اللہ کریم دوڑ کر آتے ہیں۔ محترمہ اُم فاران صاحبہ نے فرمایا کہ اُن کے بیٹے نے ایک بار معصومیت سے پوچھا کہ اللہ کریم کیسے دوڑ کر آتے ہیں؟ میں نے کہا کہ پھر انسان کو ہر چیز میں اللہ کی شان نظر آتی ہے۔ صبح شام کے آنے جانے میں، پھولوں میں، ستاروں میں، ہر شے اللہ کی یاد دلاتی ہے اور اللہ کریم کو جو پکارے تو اللہ اُسے ایسے لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں جو اُسے واصل باللہ کر دیتے ہیں۔ آج بھی ایسے لوگ دنیا میں موجود ہیں جو دلوں کو روشن اور طلبِ الٰہی کو تازہ کر دیتے ہیں۔

ہم آج کہتے ہیں کہ قحط الرجال ہے اچھے، بھلے لوگ نہیں ملتے لیکن یہ اللہ کا نظام ہے کہ ہر دور میں ایسے روشن سینے رہیں گے جو اُنہی برکات کے امین ہوں گے جو نبی کریم ﷺ کے سینہ اطہر سے جاری و ساری ہیں۔ یہی مشائخ، صوفیاء کا منصب ہے کہ ہر دل میں رکھے چراغ کو نورِ نبوت سے روشن کر کے قربِ الٰہی، معرفتِ الٰہی کی منزل پر رواں دواں کر دیں۔ محترمہ اُم فاران صاحبہ نے فرمایا کہ جس طرح فون میں سم ہو لیکن ACTIVATED نہ ہو تو کام نہیں کرتی اسی طرح سینے میں قلب ہو اور ذکر اللہ سے منور نہ ہو تو بات نہیں بنتی۔ انسان اپنے ربّ سے غافل ہو کر منزل سے بہت دور بھٹک جاتا ہے۔ اُسے اپنا مقصدِ حیات بھول جاتا ہے اور یوں بھولے مسافر کی طرح بے چین رہتا ہے۔

اللہ کریم ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے بس ہمیں اپنی ذات کی نفی کرنی ہے۔ ہمیں دکھ اور غم تب ستاتے ہیں جب ہماری مرضی اللہ کی مرضی کے تابع نہیں ہوتی۔ اگر ہمارا تعلق اللہ سے اتنا مضبوط ہو، ہمیں یقین آجائے کہ ہر غم، ہر سکھ اللہ کی طرف سے ہے اور اس کے ہر کام میں حکمت ہے تو پھر کسی تکلیف میں تنگی محسوس نہیں ہوتی۔

ہم کوشش کرتے ہیں کہ اچھے مسلمان بنیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں لیکن ہم بدلتے نہیں۔ ہماری نماز ہمیں بے حیائی سے کیوں نہیں روکتی؟ اس لیے کہ ہم حقیقتِ نماز تک پہنچ نہیں پاتے۔ ہر عمل، ہر عبادت کی بھی روح ہے جیسے نماز میں خشوع خضوع ہے، عمل میں خلوص ہے۔

یاد رہے بدن کا ہر عمل روح کو متاثر کرتا ہے اور روح کی حالت بدن کو متاثر کرتی ہے۔ بدن کی ساری ضرورتیں مٹی سے، زمین سے نکلتی ہیں جب کہ روح کی بھوک مٹانے کے لیے ذکر اللہ ضروری ہے۔ اگر روح کو بھوکا رکھا جائے تو بالآخر یہ مرجاتی ہے۔ کفار کے لیے کہا گیا ہے کہ اُن کے بدن چلتی پھرتی قبریں ہیں۔ اُن کے وجود روحوں کی قبریں بن چکی ہیں۔

گذشتہ ہر دور میں جب انسان اللہ سے غافل ہوئے، نبی کریم ﷺ سے دور ہوئے تو اللہ نے اولیاء پیدا فرمائے۔ گذشتہ ادوار میں جب نیکی کا دور دورہ تھا تو بڑے سے بڑے اولیاء نے بھی ذکرِ قلبی عام نہیں کیا، اکثریت کو تسبیحات اور وظائف پر ہی رکھا۔ یہ آج کے دور کی ضرورت تھی کہ ہر دل کو روشن کیا جائے تا کہ ظلمت کا مقابلہ ہو سکے۔ آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن سے وابستہ ہو کر، ذکر اللہ کے نور سے، دلوں کا زنگ اتارنا ممکن ہے۔ دلوں میں اللہ اور اللہ کے نبی کریم ﷺ کی محبت جگانا ممکن ہے۔ بس شرط ایک ہی ہے کہ طلب صادق ہو۔ اگر خالص طلب پیدا ہو تو اللہ تعالیٰ ایسے افراد تک پہنچا دیتے ہیں۔ صوفیاء نے قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر ذکر اللہ کے طریقے مرتب کیے۔ سانس اور دل کی دھڑکن کو اللہ کے نام سے جوڑا اور ہر دھڑکن کو اللہ کے نام سے آباد کیا۔ یاد رہے کہ ذکر سانس سے نہیں کیا جاتا۔ سانس کو ذریعہ بنایا جاتا ہے کہ اللہ کا نام دل کی گہرائی تک لے جائے۔

انہوں نے فرمایا، اللہ کو پانے کا ارادہ کرنے کے بعد اللہ کا ذکر کرنا ضروری ہے اس لیے کہ اللہ نے ہر دل کو اپنی تلاش کی طلب سے جوڑ دیا ہے۔

آخر میں مہمانِ خصوصی نے قلب پر ذکر کروایا اور یوں یہ تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔ بیان کے بعد آپ نے معزز مہمانوں سے گفتگو بھی کی اور دیر تک اُن کے سوالوں کے جواب بھی دیئے۔ ان میں ڈاکٹر عطیہ عنایت اللہ صاحبہ نمایاں تھیں۔ پروگرام کے اختتام پر چائے اور بسکٹوں سے سب کی تواضع کی گئی۔ مہمان خواتین نے سلسلۂ عالیہ کے کتب کے سٹال سے خوب خریداری بھی کی۔

الحمدللہ! سب حاضرین دلوں کو اللہ کے نام سے روشن کر کے بشاشت محسوس کرتے ہوئے روانہ ہوئے۔ اللہ کریم سب کی کوششیں قبول فرمائیں۔ آمین

سالانہ پروگرام سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

1438-39 ہجری بمطابق 2017ء

تاریخ	تاریخ قمری	ایام	تفصیل	کیفیت
7-8 جنوری	10-11 ربیع الثانی	ہفتہ، اتوار	ماہانہ اجتماع	----
4-5 فروری	9-10 جمادی الاوّل	ہفتہ، اتوار	ماہانہ اجتماع	جنرل کونسل اجلاس
4-5 مارچ	7-8 جمادی الثانی	ہفتہ، اتوار	ماہانہ اجتماع	----
1-2 اپریل	6-7 رجب المرجب	ہفتہ، اتوار	ماہانہ اجتماع	----
6-7 مئی	11-12 شعبان المعظم	ہفتہ، اتوار	ماہانہ اجتماع	جنرل کونسل اجلاس
13 جون تا 23 جون	20 رمضان المبارک تا 30 رمضان المبارک	منگل تا جمعہ	اعتکاف رمضان المبارک	----
8 جولائی	15 شوال المکرم	ہفتہ	آغاز سالانہ اجتماع	----
12 اگست	21 ذیقعدہ	ہفتہ	----	جنرل کونسل اجلاس
13 اگست	22 ذیقعدہ	اتوار	اختتام سالانہ اجتماع	----
2-3 ستمبر	13-14 ذوالحجہ	ہفتہ، اتوار	ماہانہ اجتماع	----
7-8 اکتوبر	18-19 محرم الحرام	ہفتہ، اتوار	ماہانہ اجتماع	----
4-5 نومبر	17-18 صفر المظفر	ہفتہ، اتوار	ماہانہ اجتماع	جنرل کونسل اجلاس
2-3 دسمبر	15-16 ربیع الاوّل	ہفتہ، اتوار	ماہانہ اجتماع	جلسہ بعثتِ رحمتِ عالم ﷺ

ہدایات:

1۔ احسن ہے کہ بروز ہفتہ عصر کے وقت اجتماعی ذکر میں شامل ہوں، یا شام تک مرکز پہنچ جائیں۔

2۔ موسم کے مطابق اپنا بستر ہمراہ لائیں۔

3۔ اعتکاف/عیدین چاند کی تاریخوں سے مشروط ہیں۔

4۔ جنرل کونسل کے علاوہ اجتماع پر اجلاس الاخوان پنجاب منعقد ہوگا۔

دستخط حضرت شیخ المکرم مدظلہ العالی

24/11

claims, that He (SAWS) went to Bait-ul-Maqadass and lead all the Prophets (AS) in prayers and returned to Makkah, in one night? Abu Jahal was most vocal over this and he advised them to inform Hazrat Abu Bakar (RAU) over this news, given by his Prophet (SAWS).

So, they went to Hazrat Abu Bakar's house and said that you were His friend and then you accepted Him (SAWS) as your Prophet, and became His follower. Now, listen to what He (SAWS) has said, will you still believe in this? Hazrat Abu Bakar (RAU) said: "you are so foolish that you do not realize that what I have already believed in is far more amazing than this event. I have believed in Him (SAWS) when He (SAWS) said that He (SAWS) receives Revelations from Allah (SWT). This incident is very inconspicuous as compared to receiving Divine Revelations, and if the Prophet (SAWS) Him self has narrated this journey, as you are telling me than I endorse its validity and I believe in it!" Hazrat Abu Bakar (RAU) had not yet heard of it himself, from the Prophet (SAWS) but was being told so, by the polytheists of Makkah.

The comment was simple that if this is what the Prophet (SAWS) said, then it is true, and he believes in it! This is called being Fana-fir-Rasul (SAWS). So, if Allah (SWT) blesses someone with this Exaltation, then it demands, that his faith becomes a Darood, his character becomes a Darood, his thoughts become a Darood and his tongue remains engrossed and fragrant with Darood.

The duty towards Darood will not be fulfilled merely by celebrating the Noble Birth (Melad) of the Prophet (SAWS), and doing fireworks. In fact, the Noble Birth of the Prophet (SAWS) should be celebrated by the entire universe, by the entire mankind, including the non-believers, as Allah (SWT) sent His Mercy in Person of Muhammad (SAWS), who cares for the welfare of every individual. However, a believer celebrates the annunciation of the Prophet (SAWS) (بعثت) and not merely his Birth, which also is the most Blessed. The Beneficence and Mercy that His (SAWS) annunciation of Prophet hood, brought cannot be measured or estimated.

کردیا ہم سخن بندوں کو خدا سے تو نے

He (SAWS) taught man, a handful of dust, the art of communicating with Allah (SWT), The Provider and the Sustainer of the Universe. From the lowliness of the dust, He (SAWS) elevated him to what exaltations! May Peace be upon Him.

(Continued of Page 54)

The Distinction of the *Aulia*

The author of *Tafsir-e Mazhari* writes in the explanation of *al-Saba* (vol: XII, p: 22):

> Some *sûfi* veterans, at times, attain freedom from time and space and see the past and the future before them. This fact is supported by an authentic Hadith. According to Abdullah Ibn-e Abbas: Once solar eclipse occurred during the Prophet's(SAWS) time; he(SAWS) led a number of his followers in *Salat-e Khasûf* (a special prayer for such occasions), and stood praying for an unusually long period. We watched him step forward, then backward, as if attempting to get hold of something. Asked later, he(SAWS) explained, "I saw Paradise in front of me and I wanted to pluck a bunch of fruit therefrom. Had I been successful, it would have lasted you till the end of the world."

It would be incorrect to interpret that the Prophet(SAWS) saw an image of Paradise as in a dream; for such a notion is rebutted by him that he saw Paradise itself and not its image.

(To be Continued...)

of the Prophet (SAWS) and prove worthy of obedience and loyalty, then a stage comes when our own selves become extinct.

This in terms of Tassawuf is a state called Fana-fir-Rasul which implies that although a believer is alive and moving around physically yet his thoughts, intentions and actions have become the Likes, Dislikes and Preferences of the Prophet (SAWS). Whenever a believer, a seeker of the Sufi Path is honored with this Blessing of Fana-fir-Rasul, he becomes beneficial for everyone, just as a mirror when placed before the sun reflects, its light and dissipates it. The light does not belong to the mirror, but it receives the light from the sun and instead of absorbing it, it is reflected and passed on to others. Thus, it benefits all those around him and a person who is blessed with the status of Fana-fir-Rasul, he becomes beneficial to mankind, as a whole. By merely attaining the meditation (maraqaba) of Fana-fir-Rasul, does not make a person Fana-fir-Rasul, however, it acts as a support system, by giving him a connection with the Exalted Court of Prophet (SAWS). It is up to him now, to transform his practical life into a real connection with the Prophet (SAWS). The meditation, he avails, will only be a support in achieving a practical transformation into Fana-fir-Rasul but ultimately he him selves will be held responsible for it. In spite of this if he fails to change himself in practical life, and then he will be declared a worse criminal, than others. May Allah (SWT) have Mercy on him and forgive him, but he should realize its value.

The other day somebody was mentioning a silly thing done by a person. I said that he is a simple man and not very wise and yet he offers Salah and practices Zikr. I said that he is a lucky man and a simpleton. It is we who call ourselves wise that are in more danger of accountability. He maybe forgiven for his naive simplicity but what if we are asked to explain why we, in spite of being wise, acted wrongfully? So, it will become difficult for those who called themselves wise rather than the simpletons.

Similarly if a Sheikh makes his disciple attain the meditation of Fana fir Rasul (SAWS) then that disciple has a greater responsibility to obey the Prophet (SAWS), more diligently. If in spite of this if he does not obey the Prophet (SAWS), what justification can he give for his disobedience? He will be asked that what is your excuse for disobedience when you enjoyed the Blessing of such a connection, strength and relationship with Prophet (SAWS)? Instead of making your utmost effort to color your entire life with hue, by striving to earn lawfully, by speaking the truth and obeying Allah (SWT), you still lapsed!

We have a social norm that we follow the trends of the majority by saying that since everybody is doing this, so are we. However, this is not a pretext for doing wrong. Had this been a valid reason to follow the wrong path then there was a time when the entire world was on the path of evil and only One Person, the Prophet, the Messenger of Allah, Muhammad (SAWS) stood alone proclaiming His Prophet hood. Those who accepted His (SAWS) message in Makkah; Hazrat Abu Bakar (RAU), Hazrat Ali (RAU), did they accept it because there were so many others, accepting it? They on the contrary said that even if the entire world refutes Him (SAWS), we know He (SAWS) is Allah's thankful servant, so we will believe in him as Allah's Messenger (SAWS).

When the Prophet (SAWS) narrated his Night Journey of Ascension (Mairaj) before the Makkans, it stirred a storm of opposition. The Makkans said that the Ascension to Heavens is beyond discussion, but let us discuss His (SAWS) claim to travel back and forth from Bait ul Muqadass, in one night. How is it possible, when by making our camels run at their maximum speed, we reach there in three months? How can it be true? He (SAWS)

WHAT DAROOD SHARIF REALLY MEANS

(Part-II)

Translated Speech of
Hazrat Ameer Muhammad Akram Awan MZA 7 May 2004

What is the concept of Virtue or Piety? Piety simply means being a slave of the Prophet (SAWS). What is the meaning of sin? Disobedience to the Prophet (SAWS) in any field of action is simply sin. Indeed, a person who lived in Allah's (SWT) world, who enjoyed the sunlight and the breeze being offered here, but failed to get acquainted to the Prophet (SAWS) and believe in Him (SAWS), is very unfortunate. However, those who are blessed with faith need to prove worthy of the Love which is possible with Allah (SWT) through His Mercy, upon believers.

It is not a must that one has to spend millions to buy Prophet's affection; it is not necessary to sacrifice your life to gain His (SAWS) love. It is simply, a connection of the heart which when strengthened, not only defeats the worldly hardships, but even death. Such a person lives forever. He is alive even after the death, as suggested by Sultan Bahu (RUA), in this verse:

ے نام فقیر جنہاں دا باہو قبر جنہاں دی جیوے ہو

Everyone who lives in this world enjoys the life but real life is attained by one, whose body, when lowered in the grave, brings the grave to life, too. From where does this life come? Just as the Universe borrows light from the sun, the Universe as well as the entire world borrows life from the Prophet (SAWS). He (SWT) sends salutations upon His Beloved (SAWS), His Angels also send salutations and all the believers have been invited by Allah (SWT) to join in and send Darood, incessantly.

What are we? A handful of dust, but the Gracious Allah (SWT) is saying, the believers, to join Him and His angels in sending Darood upon His Beloved (SAWS). Can a higher status be imagined for a handful of dust? When a believer worships Allah (SWT), in Salah, Allah (SWT) makes him to participate in offering Salutations and Darood. When he reads the Quran, Allah (SWT) sends him the injunction, the order, to send Darood. At every step that he takes in life, he is guided to follow the Prophet (SAWS), thus associating with His (SAWS) remembrance, in every action. For a believer, the remembrance of his beloved Prophet (SAWS) is associated with every breath that he takes! Why would he do something? He would do something because the Prophet (SAWS) told him to do so. Why would he refrain from doing something? He would refrain from doing something because his Prophet (SAWS) told him to stay away from it.

In other words, a believer is associated with His (SAWS) memory throughout his life and it is indeed an exalted status for him to be present or associated with the Exalted Court, which the angels attend with extreme reverence and awe. We are nobody; we enjoy no worldly status and are inconspicuous in life. We are dragging ourselves through the hardships of life. What is our worth? What does the world get from us? Things that benefit the world have a worth; what are we giving to anyone when we ourselves are so needy? Nevertheless, if we get associated with the Exalted Court

"So his heart resembles a polished mirror reflecting the reality of things. His judgement does not err, forgiven the Divine Light, he sees and hears things in their true perspective."

Note: This, in addition to proving the veracity of *kashf*, proves the meditation termed as *Ru'yat-e Ashkal* (literally, observation of figures in true perspective). Yet, in spite of such a marvellous spiritual advancement, a sincere seeker and a true *sûfi* continues to strive for further progress.

This Hadith proves that a bondsman, even after attaining the exalted title of Divine beloved, continues to seek further progress because it implies diffidence, humility and true bondsmanship; for a human being, *Abu'diyyat* (Divine bondsmanship) is the highest honour. (***Fatah al-Bari***, vol: XI, p: 273)

Notes: This Hadith of al-Bukhari establishes the following facts:

- Obligatory worship is the capital investment, while the supplemental is the profit.
- Divine nearness, peculiar to supplemental worship, cannot be attained without obligatory worship.
- The various grades of Divine nearness are dependent upon proper execution of both obligatory and supplemental worship.
- The various exalted offices of the *aulia* depend upon the degree of Divine nearness attained.
- Divine nearness is not confined to the exalted offices alone.
- Any *wali*, who attains *Muhibbi'yat* (highest Divine esteem), becomes *Mustajab ad-D'awãt*.
- To bear enmity or grudge against a *wali* leads to a tragic and woeful end.
- *Ilhãm* is an authority for the recipient, provided it is not against the *Shari'ah*.

Identification of the *Aulia*

There are two pillars of *wilayah*; anyone holding them firmly is a *wali*. Writes Imam Razi:

> There are two attributes of *wilayah* which facilitate identification. First is adherence to the *Shari'ah* and the second, absorption of ones' inner-self into the lights of Reality. When both of these are found in a bondsman with a pronounced sustaining capacity, he is certainly a *wali*. (***Tafsir-e Kabir***, vol: V, p: 471)

This argument has been contested by some on the ground that a saint may be called devout, or a man of *ilhãm* and *kashf* but it is difficult to call him a *wali*; because it is not possible to establish whether he has been proclaimed as such by ALLAH. This question is answered in al-*Mishkãt* in these words, "The chosen bondsmen of ALLAH are those whose very sight inspires His remembrance."

This test, if performed casually about a person, will not carry conviction. Its implication has been explained by Imam Rabbani in his *Maktubat* (vol: II, p: 92), in the following words:

> "The *aulia* are holy persons who invite mankind to the path of ALLAH, prescribed by the *Shari'ah*, externally and internally. First, they call the seekers to repentance and persuade them to carry out their obligations enjoined by the *Shari'ah*. Secondly, they advise with emphasis on constancy. It is obvious that a *wali* does not stand in need of any supernatural powers for the said purpose. *Wilayah* entails the type of guidance which has nothing to do with the supernatural or *karamah*. In short, the sine-quo-non (the indispensable qualification) of a genuine *wali* is that in his company one should feel an inclination towards things Divine and an aversion to matters mundane."

(To be Continued on Page 52...)

bondsmen, seeking My nearness, is the one I have imposed on him; and My servant continues to draw near Me through supplemental works, until I love him. And when I love him, I am his ears so that he hears by Me, and his eyes so that he sees by Me, and his feet so that he walks by Me (-not in the physical sense but signifies perpetual Divine guidance and favour). When he raises his hands in supplication I grant his requests, and when he seeks refuge with Me, I protect him."

Allama Tufi said that the above Hadith forms the basis of the Divine Path, leading to eternal love and His nearness. It explains the method for the attainment of *Ihsãn*, a composition of an inner obligation i.e. *Iman*, and an outer one, i.e. Islam, as defined in Hadith-e Jibril. *Ihsãn* is the moral worth and status of the seeker; such as abstention, sincerity, meditation, etc.

Degrees of Divine Nearness

It has already been stated that the two pillars of *wilayah* are:

1) complete adherence to the *Shari'ah*; and

2) total occupation of the inner self with the lights of Reality.

The meaning of *wilayah* is His nearness which can be attained by two means:

1) Obedience to Him; and 2) total abstinence from every sin.

Human beings prove their friendship by His obedience and piety, which in turn begets His protection and succour. (***Fatah al-Bari M'a Bukhari***, vol: XI, p: 237)

Concerning this Hadith, narrated by Imam Bukhari, three grades of Divine nearness have been established:

- of Obligatory Worship,
- of Supplemental Worship, and
- of Highest Esteem.

Nearness through Obligatory Worship

The first grade implies that a Divine bondsman should completely mortify his identity, which in *sûfi* terminology is *Fana-e Zaat* (Self-denial) i.e. he should become an instrument in the Hands of the Creator.

Lo! ALLAH has bought from the believers their lives and their wealth, because the garden will be theirs. (9: 11)

Nearness through Supplemental Worship

The advancement towards His nearness achieved through His worship is limitless. Writes Imam Razi:

Just as the Divine Light peculiar to various grades is abounding, the journey of a *sûfi* saint in these exalted grades is also endless. It is an unfathomable ocean, a craving without limit. Glorified be the One Who bestowed such nearness on His friends. (***Tafsir-e Kabir***)

Note: The *Rûh* is not composed of matter which may disintegrate, but is something more subtle than the Angels. Its abode is in the Realm of Command, beyond the Throne. Once associated with the human body, it tends to forget its home; in addition, its power of levitation either exhausts or becomes extremely weak. When an accomplished saint re-introduces it to its home, and constancy at *zikr* is achieved, its 'wings' are restored, its levitation returns, and it stands illuminated with the Divine Light.

"When the sacred celestial lights reflect on the *Rûh*, its levitation is given a fillip by their beneficence and it starts levitating towards its native home ardently."

Nearness of the Highest Esteem

A Gnostic attains this grade when each cell of his body is completely rid of every non-Divine influence. From this very Hadith Ibn-e Qayyam has, in his *Kitãb ar-Rûh*, established that the heart of the *wali* resembles a polished mirror enabling him to perceive the reality of everything.

THE AULIA AS DESCRIBED BY THE PROPHET-(SAWS)

Translation of "Dalail us Suluk" written by Hazrat Maulana Allah Yar Khan (RAU)

CHAPTER-XII Continued

The real value of a human being, his greatness and his excellence will come into limelight on the day his Register of Conduct is produced before the Almighty. Hearing glad tidings of supreme triumph, a true bondsman will receive immense Divine blessings. That indeed will be the real success, true emancipation and everlasting glorification, which in other words is called grand success of the Hereafter and eternal bliss. The ephemeral pomp and show of this world is nothing but an illusion and self-deceit:

The life of this world is but comfort of illusion. (3: 185)

The Splendour of the *Aulia* on the Day of Judgement

Narrates Ibn-e Abbas, "There will be some people seated on ALLAH's right on His Tremendous Throne on the Day of Judgement; they will be on pulpits of light, their faces gleaming with Divine Light. They will neither be Prophets, nor martyrs or *Siddiqin*. The Prophet-(SAWS). was asked who they would be; and the Answer was repeated three times to emphasise the point, "They would be the ones who loved each other for the sake of ALLAH."

Narrates Abu Hurai'rah, "There are some Divine bondsmen other than the prophets who will, on the Day of Resurrection, be envied by Prophets and martyrs. The Prophet-(SAWS). was requested to identify them so that they be held in esteem. He-(SAWS. replied, "They are the ones whose hearts have been flooded with Divine Light. As a result they hold each other dear in spite of being neither kindred, nor of a common lineage. Their faces will be radiant and they will be seated on thrones of Divine Light. When others will look terrified and grief-stricken, they will be resplendent and without any sign of worry, whatsoever." He-(SAWS). then recited this verse:

Lo! Truly the friends of ALLAH are (those) on whom fear (comes) not, nor do they grieve. (10: 62)

Note: The *aulia* described in the above Hadith are those devout and sincere bondsmen who remember ALLAH ceaselessly and spend their lives seeking inner purification through endeavour, toil, abstinence and prayer. Of course, the Prophets-A.S. and their true successors rank far above them, for they are a source of guidance and reformation of mankind. The Prophets will be questioned, on the Day of Judgement, about their *Ummah* but the *aulia* under reference will be free from such a responsibility. The envy of the Prophets and the martyrs will be on this account. Those exempted from reckoning on the Day of Judgement will indeed be enviable.

The *Aulia* in Worldly Life

The Prophet-(SAWS). said, "Anyone who ceases to depend on the creation and gives himself to the Creator receives sustenance from sources unimaginable." He-(SAWS). quoted a Divine declaration:

"Anyone who bears enmity with My friends, I declare war against him. The most valued worship of My

February 2017
Rabi-ul-Sani / Jamdi-ul-Awwal 1438h

MONTHLY
Al-Murshid

الله
رسول
محمد

The human being is the only creation which has been imbued with an innate ability to know Him, to recognize (His Greatness) and to become familiar with Him (SWT).
(Page No. 9)

Al-Sheikh Maulana Ameer Muhammad Akram Awan MZA

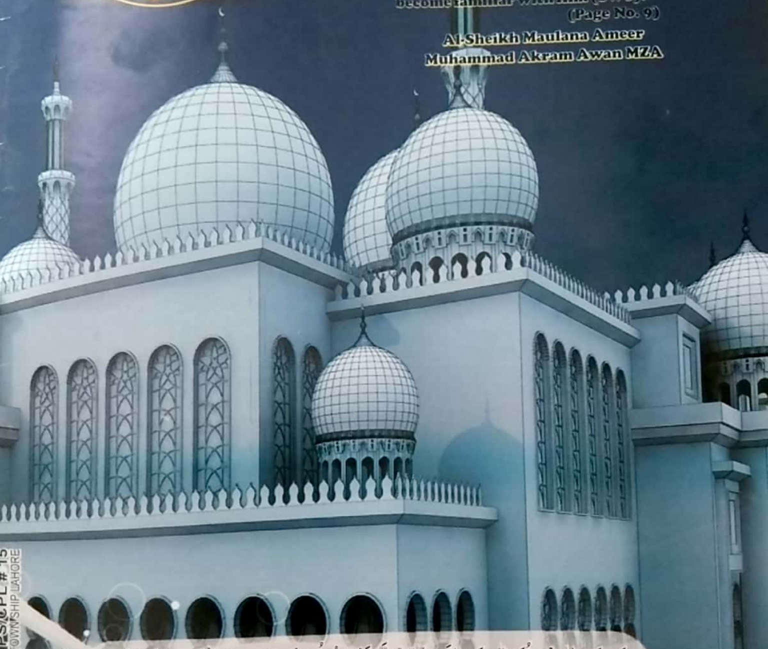

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ لِكُلِّ شَيْءٍ صَقَالَةٌ وَصَقَالَةُ الْقُلُوْبِ ذِكْرُ اللهِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ اَنْجٰى مِنْ عَذَابِ اللهِ مِنْ ذِكْرِ اللهِ قَالُوْا وَلَا الْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ قَالَ وَلَا يَضْرِبَ بِسَيْفِهٖ حَتّٰى يَنْقَطِعَ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان، حدیث:522، ج:1، ص:396)

Narrated by Hazrat Abdullah bin Umar (RAU) that Prophet (SAWS) used to say, that for everything there are means and ways of cleansing and polishing; for the hearts it is Zikar Allah (remembrance). There is nothing better than Zikar Allah in saving a person from Allah' wrath.The Companions (RAU) asked " Not even fighting in Allah's Cause?" The Prophet (SAWS) said: "No,even if the sword of the fighter is broken into pieces, during fighting"

MONTHLY AL-MURSHID (D) PS/@PL # 15
ZAWASIA SOCIETY COLLEGE ROAD TOWNSHIP LAHORE

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی موجود ہے آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جاکر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کرسکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور اپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کرسکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا اپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کرسکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کرسکتے ہیں۔ 03235205255